خطابه رشتیعالیه

رز

کرم علی خان

گودلان جمعه ملی انجمن سیدویه جنبجل گراره

۱۳ خرداد ۱۳۵۵ ف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[illegible] [illegible] ۱۲ [illegible]

از محمد کرم علی خاں بی اے ایل ایل بی [illegible]

مرحوم کرم علی خاں صاحب [illegible]

[illegible] ہیں

بی اے میں آپ کا [illegible] تھے

پھر آپ نے ایل ایل بی کا امتحان بھی امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا

علاوہ فارسی عربی اور انگریزی زبانوں کے علاوہ [illegible]

میں آپ کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ وہ ایک زندہ کتاب تھے

نہایت ملنسار اور اخلاق حسنہ و [illegible] کے حامل

[illegible] سے آپ کے مراسم [illegible] تھے جب [illegible]

[illegible] اس وقت [illegible]

[illegible]

میں [illegible] سے قلب [illegible] تھا۔

۱) صفحہ ۱۰۵ سے ۱۰۶ تک [illegible] کی خدمات کا تذکرہ ہے

۲) صفحہ ۲۹ [illegible]

[illegible] کا ذکر ہے [illegible] صفحہ [illegible] ۱۴۳ [illegible]

[illegible]

۳) [illegible] صفحہ ۳۰ میں نواب صاحب کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ استقبالیہ

از

محمد کرم علی خان بی اے ایل ایل بی صدر مجلس استقبالیہ

جو

بتاریخ ۱۲؍ خورداد ۱۳۵۵ف م ۱۴؍ جمادی المنور ۱۳۶۵ھ اجلسہ گولڈ جوبلی انجمن مہدویہ چنچل گوڑہ میں پڑھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

محترم صدر و معزز برادران ملت!

میں اس وقت جس خوشگوار فریضہ کی ادائی پر مامور ہوں وہ معزز صدر اور آپ حضرات کا خیر مقدم ہے یہ فریضہ نہ صرف خوشگوار بلکہ باعث افتخار ہے۔ ارکانِ مجلس کی اس عزت بخشی کا میں بیحد ممنون ہوں البتہ ایک خیال دامنگیر ہے کہ شاید اس فریضہ کی ادائی مجھ سے کما حقہ نہ ہو سکے جو میرے عرض حال سے متعلق ہے۔ حضراتِ گرام! آج کے اس عظیم اجتماع کا مقصد و منشا جس سے آپ بذریعہ اعلانات و دعوت نامہ جات واقف ہو چکے ہیں یہی ہے کہ ہم باہم نہ صرف متعارف ہوں بلکہ ہماری حیات ملی کا جائزہ لیں کہ باعتبار کم و کیف آیا وہ رو بہ انحطاط ہے یا ترقی کے منازل پر گامزن؟ اس سلسلہ میں اگر ہم حیات ملی کے جائزہ کو صرف ممالک اسلامیہ آصفیہ تک بالعموم یا بالخصوص انجمن مہدویہ کی تاسیس و کارگزاری و لائحہ عمل تک محدود کر لیں اور من حیث المجموع تمام ملت مہدویہ کی حالت پر جو مختلف اضلاع ہند میں بستی ہے کوئی نظر نہ ڈالیں تو میری دانست میں ملت کے نقطہ نظر سے یہ ہماری بڑی بدخدمتی ہوگی۔

اس امر کے جانچنے کے لئے کہ آیا ہماری موجودہ حالت ہمارا دور انحطاط ہے یا دور ترقی۔ اس اصول کو صحیح باور کر لیا جائے کہ کوئی قوم یا ملت جو اپنے ماضی کو اپنا عہد زرین سمجھتی ہو وہ اپنی موجودہ حالت کو اپنا دور تنزل تسلیم کرتی ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم بھی مثل اکثر ایشیائی اقوام کے اپنے ماضی ہی کو اپنا عہد زرین سمجھتے ہیں چنانچہ جب ہم ہماری موجودہ حالت کا ہمارے ماضی سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہمارے سینے کے داغ پھر تازہ ہو جاتے ہیں بخلاف اس کے اگر آپ ان اقوام کے لٹریچر کا مطالعہ کریں جو اس وقت مائل ترقی پر [illegible] ہیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اپنے ماضی کو قرون مظلمہ سے یاد کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ [illegible] کا دور ہے۔

یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ یہ دور انحطاط کا ہے جو ہمارے لیے پسند خاطر نہیں ہے بلکہ ہمیں اس دور کی تخفیف کی ضرورت ہے جس سے ہمارے اسلاف کو دین و دنیا دونوں میں سرخرو کیا تھا تو ہمیں چاہیے کہ ہم

تلاش کریں کہ ان کے اصول فکر و عمل کیا تھے۔

ان کے اصول فکر و عمل کی تلاش میں ہمیں بڑی سہولت ہوگی اگر ہم یہ معلوم کرلیں کہ انہوں نے یعنے ہمارے اسلاف نے کن اضافات یا نسبتوں سے خود کو موسوم کیا تھا۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہ خود کو مہدوی مسلمان کہتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہم کو ہمارے اس دائرہ تلاش کو مہدویت اور اسلام تک وسیع کرنا پڑیگا چنانچہ ہم اسی ترتیب سے اپنی تحقیقات آغاز کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی ہماری تائید کرتی ہے کہ ہر ادارہ یا جماعت اپنے موسس اور اوس کے رفقاء کے زمانے میں اپنے قائم کردہ معیار کا پورا درخشان و صحیح نمونہ ہوتی ہے۔ بعد کے دور میں وہ نقوش دھندلے ہونے شروع ہوتے ہیں اس لحاظ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی جماعت کے مسلمات و نظریات حیات کا صحیح ماخذ اوس کے بانی اور اس کے رفقاء کا زمانہ ہوتا ہے۔ بعد کی تاویلات جو سرچشمہ ہدایت سے بعید اور بعید تر ہوتی جاتی ہیں اونکی بعینہ یہ مثال ہے کہ

سہ چشمہ نزدیک تھا منبع سے تو تھا عین صفا ؛ جوں جوں بڑھتا گیا ہوتا گیا پانی گدلا
بڑھتے بڑھتے اثر صدق و صفا کچھ نہ رہا ؛ اور آخر دورمیں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ مہدویت سے کیا مراد ہے یعنی وہ کن افکار و اعمال حیات کی تبلیغ چاہتی ہے۔ بمصداق "تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں" ہمارے لئے تحقیق و استنباط کی فکر میں پڑنے کے بجائے یہ مناسب ہے کہ ہم اوس کے بانی یعنی خود حضرت امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان اقدس سے معلوم کرلیں کہ وہ اپنے اس مذہب کو کیا نام دیتے ہیں؟ اور اپنے افکار و اعمال کو کس ضابطہ کا پابند فرماتے ہیں اور اپنے متبعین کو کن مسلمات اور ان کے متعلقہ اعمال کی تلقین فرماتے ہیں۔

ہم کو بحیثیت اون کے حلقہ غلامی کا شرف رکھنے کے یہ معلوم ہے کہ آپ نے ببانگ دہل دنیا اور دنیا والوں کی آگاہی کیلئے اعلان فرمایا کہ انی عبد اللہ تابع محمد الرسول اللہ۔ "مذہب نیا و ہم مذہب کتاب اللہ و اتباع سنت رسول اللہ۔

اقوال و نقلیات جو ذات اقدس سے منسوب کی جائیں اونکی جانچ یا صداقت کا معیار یہ قرار دیا کہ جو قول یا نقل مجھ سے منسوب کی جائے وہ اگر مطابق قرآن و حدیث رسول نہ ہو تو سمجھ لو کہ مجھ سے نہیں ہے بلکہ افترا ہے۔ ان ارشادات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مہدویت اسلام کا دوسرا نام ہے اسلئے کہ اسلام کتاب اللہ کی تعمیل یعنے اسوۂ حسنہ کی اتباع کے سوا اور کیا ہے؟

ے بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ؛ اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اِس نوبت پر کہ مہدویت اور اسلام میں کوئی فرق نہیں ہے تو پھر بعثت مہدی ع کی کیا ضرورت تھی۔ جبکہ مہدی موعودؑ کے زمانہ میں اسلام موجود تھا۔

میرے منصب و موضوع کے لحاظ سے تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے لیکن اتنا کہے بغیر آگے بڑھا نہیں جا سکتا کہ گو بزمانہ بعثت امامنا مہدی موعود علیہ السلام اسلام موجود تھا لیکن اوس کی کیفیت بقول حالیؔ آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا تھی۔ اگر اسلام باقی بھی تھا تو صرف چند مجذوبوں میں تھا جنہیں منصب عزیمت حاصل نہ تھا جس کی وجہ سے دائرہ فکر و عمل میں چراغ مصطفوی کو ہادی راہ بنانے کے شرار بولہبی کو ترجیح دی جارہی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جس طرح غول بیابانی سے کوئی مسافر صحیح راستہ نہیں پا سکتا اسی طرح ساری مخلوق حیران و سرگردان تھی۔ تمام مورخ اور با اعتماد مصنفین کو اس کا اقبال و اقرار ہے کہ۔

اوس زمانہ میں حقیقتاً ایک مہدی کی ضرورت تھی" اس ضرورت کو صرف مورخین و مصنفین کی رائے کی بنا پر تسلیم کر لینا ہماری شان کے خلاف ہے تا وقتیکہ ہمیں کوئی ایسا بیان نہ ملے جس کے آگے کسی مجال دم زدن نہ ہو۔ مخبر صادق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے کسی فرمان کا شرف صدور لانا ثابت ہو جائے تو ہمارے لئے کسی تشویش کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ حضرت ختمی مرتبت کی شان میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی بعثت سے متعلق جتنی احادیث شریفہ موجود ہیں۔ ان کا بیان کرنا طوالت سمجھا جاتے تو صرف دو ایک کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔

حضرت سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میری امت کس طرح ہلاک ہو سکتی ہے جبکہ میں اس کے اول ہوں اور عیسیٰ ابن مریم اس کے آخر میں ہیں اور مہدیؑ جو میری اہل بیت سے ہے اس کے وسط میں ہے۔"

ضرورت بعثت مہدی تو فرمان مبارک سے ثابت ہو چکی اور مورخین نے حضرت امامنا علیہ السلام کے زمانہ ہی کو بعثت مہدی کا متقاضی بتلایا ہے۔ یہاں پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا زمانہ کی کیفیت کا تقاضہ کسی کے دل میں اوس منصب موعودہ پر فائز ہونے کے خیال سے اس دعویٰ کا محرک تو نہیں ہوا۔

یہ شک پیدا ہو سکتا ہی اور پیدا ہونا چاہیئے تا صدق و کذب کی جانچ ہو سکے۔ اس کے لئے بھی ہم دربارِ رسالت پناہ کے احسان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے امام آخر الزمان کی پہچان بھی بتلا دی کہ یقفوا اثری ولا یخطی۔ اللہ اکبر! کیا معیار شناخت قائم فرمایا ہی۔ اسی پر تو صحابہ کرام نے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ہی دوبارہ قدم رنجہ فرمائیں گے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ میری اہل بیت سے ہوگا اور اوصاف و شمائل میں بالکل میرے مشابہ ہوگا اور میرے نقش قدم پر چلیگا اور خطا نہیں کرے گا۔

اس معیار کو سامنے رکھ کر جب ہم ذات امامنا علیہ السلام اور حیات طیبہ کے وقائع پر غور کرتے ہیں تو یقین ہو جاتا ہی کہ یہی وہ ذات ہی جس کی نسبت حضرت رسول مقبول مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی۔

ہمارا کہنا تو معتقدین کی خوش اعتقادی میں داخل سمجھا جائیگا لیکن مورخین اور علما کے بیانات و تحریرات جن کی آنکھوں نے اوس جلوہ کو دیکھا اور بے اختیار اوس کی تصدیق کی کہ یہی وہ ذات ہی جس کی آمد کا انتظار تھا تو پھر ہمیں اس کا تذکرہ کر دینا کافی ہی۔ اور یہی ہمارا ایمان و ایقان ہی۔ کہ بشارت میں جس ذات موعودہ کی نسبت فرمایا گیا ہی آپ ہی کی ذات اقدس ہی۔

اور یہ کہ حیات طیبہ کا جو مرقع ہمارے سامنے ہی اوس سے یہ بات عیان اور ثابت ہے کہ صرف یہی ذات اون بشارات کی مصداق و منصب کی حامل ہی۔

اگر اس اصول سے بھی جانچا جائے کہ گروہ بندی یا جماعت بندی میں انانیت یا حب جاہ و مال کی کارفرمائی ہوتی ہے تو یہاں اس ذات قدسی صفات میں اس کا شائبہ کہاں ملیگا جبکہ ان نفوس سے جنہوں نے کسب ضیاء بالواسطہ ہی کیا تھا اون کی یہ شان تھی کہ اغیار تک یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اون کے نام لیوا بزرگوں کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ صحابہ کرام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہی اور یہ لوگ انسان نہیں ہیں بلکہ ملاء اعلیٰ کے مقدس فرشتے ہیں جن کو خدا نے زمین کی پاکی کیلئے انسانی ہیکل میں بھیج دیا ہی۔

ان آثار کی موجودگی میں یہ کہنا کہ مہدویہ ایک فرقہ ہی۔ میری دانست میں ایک ظلم ہی۔ اسلئے کہ فرقہ اس وقت کہلا سکتا ہی جبکہ وہ کسی اصل کی ایک فرع کی اہمیت سے خود کو وابستہ کہنے جو

اس کا وصف امتیازی ہو جائے۔ یہاں تو صرف اعلاء کلمۃ الحق و احیاء سنۃ محمدی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام ہی کی نشاۃ ثانیہ ہے۔ جبکہ اسلام اپنے پاک منزہ حالت میں جس طرح سرکار دو عالم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تھا تو پھر مہدویت کو فرقہ کہنا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ اوس کے مقابل جتنے گروہ اسلام میں پیدا ہو چکے ہیں البتہ وہ فرقہ ہائے اسلام کہلائے جا سکتے ہیں۔

یہاں یہ اعتراض کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جو احکامات تھے اوسی نوعیت کے مہدویت میں ہونے چاہیئے تھے۔ لیکن مہدویت میں فرائض ولایت کے نام سے چند مزید احکام بھی عائد کئے گئے ہیں پھر وہ اسلام کے مرادف کس طرح ہے۔

مجھے یہاں اس کیلئے تھوڑی سی طوالت میں جانا پڑیگا لیکن مسئلہ کی اہمیت کے نظر کرتے مجھے آپ معاف کرینگے

فرائض ولایت کو بادی النظری طور پر یا غائر نظر سے آپ ملاحظہ فرمائیں تو آپ پر واضح ہو جائیگا کہ اس میں اسلام سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ بلکہ وہ عین روح اسلام ہے۔ یہ سوال کہ جب یہ احکام عین روح اسلام ہے جس کی پابندی بندہ کو اپنے خالق تک بہت جلد تقرب کے درجہ تک پہنچاتی ہے تو کیوں اسی وقت ظاہر نہیں فرمائے گئے۔ اس کے سمجھنے کیلئے آپ کو ابتدائی اسلام کے زمانہ پر غور کرنا پڑیگا۔ اوامر و نواہی کے اجراء پر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان میں تدریجی ارتقاء کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حرمت خمر بیک وقت نافذ نہیں فرمائی گئی کسی کو پورے اوامر کا اوسی وقت پابند کرنے کی بجائے کسی ایک حکم کی پابندی کا حکم دیا گیا۔ جب صلاحیت پیدا ہوتی گئی اور اوامر و نواہی میں پابندی کی سختی بڑھتی گئی۔ یہاں اون خواص سے بحث نہیں ہے جو اس وقت بھی اوسی درجہ معرفت سے مستفید تھے جنکے اظہار و اطلاق کا زمانہ حضرت مہدی علیہ السلام کا زمانہ ہے۔

عربوں کی جاہلیت یا اوس زمانے کی استعداد علمی اتنی نہیں تھی کہ وہ غوامض و اسرار کو سمجھ سکتے جیسا کہ بعثت مہدی ع کے زمانے میں ہر جگہ علماء کی اس قدر جماعت تھی کہ شاید کسی زمانہ میں اس کی نظیر مل سکے۔ کمی تھی تو صرف رموز سے واقفیت کی۔ جو ایک مامور من اللہ کی طرف سے ہی اس کا اظہار ہو سکے۔

دنیاوی قوانین کی جس کی ساری دنیا پابندی کرتی ہے ایسے کتنے ہونگے جو اوس قانون کے

وجوہ ونحو اد ضرورت وتمغی سے واقف ہوں گے۔ جب تک کسی قانون کی افادیت خود پابندی کرنے والے کے ذہن میں محسوس نہ ہوجائے اوس کی پابندی کو وہ ایک جبر سمجھتا ہے۔ لیکن جب اوس کی افادیت سے وہ واقف ہوجاتا ہے اس میں بجائے جبر ونفرت محسوس کرنے کے دلی رغبت پیدا ہوجاتی ہے۔ جو اصل منشاء وضع قانون ہے۔ اسی طرح اسلامی قوانین بعثت مہدی موعود علیہ السلام کے وقت موجود تھے لیکن لوگوں کو اوس کی حقیقی افادیت کا راز معلوم نہیں تھا جب ان کو فرائض ولایت محمدی کی پابندی سے خود ان کو اون تجلیات ربانی ومقصد تخلیق انسان کا مشاہدہ شروع ہوا تو پھر یہ اصول کسی طرح مغائر اسلام نہیں ہوسکتے بلکہ اپنے صحیح وقت پر مامور من اللہ کے ذریعہ نافذ فرمائے گئے۔

اسلام کا مقصد انسان کو اوس کے اصلی مقام پر پہونچانا ہے ہمارے یہ تمام اعمال کی ذات صمدیت کو محتاج نہیں ہے بلکہ اوس کا فضل واحسان ہے کہ اوس نے خود ہماری فوز وفلاح کیلئے یہ اصول بنائے اور اوس کا عملی نمونہ جامۂ بشری میں ہمارے لئے مبعوث فرمایا۔ کہ ہم متاع قلیل وحیات چند روزہ کیلئے اون وساوس نفس امارہ میں ملوث نہوجائیں اور اپنے اوس مقام عالیہ کو پہونچ سکیں جس مقام پر کہ فرشتوں کو سجدۂ تقدیس کرنا پڑا تھا۔ یہ دنیا مزرعۂ آخرت ہے حیات دائمی کے مقابلہ میں حیات چند روزہ کی لغویات میں مبتلا رہنا کوئی دانائی نہیں ہے۔ لیکن اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ یہ تجرد یا رہبانیت جس کی اسلام نے سختی سے مخالفت اور بیخ کنی کی ہے مراد ہے۔ بلکہ دین ودنیا دونوں کی سرخ روئی کی تعلیم دی گئی ہے۔ دنیا کو اس طرح بسر کرو کہ حیات اخروی میں سربلندی کا باعث ہوسکے۔ دنیا جس کے ترک کی تاکید کی گئی ہے اوس کا معنی اوس دنیا کے ہیں جو بندہ کو خود اپنی ذات کی تکمیل سے بے پرواہ کردے۔ ذات کی تکمیل اوسیوقت ہوسکتی ہے جبکہ وہ اپنے خالق کا تقرب حاصل کرنے کی فکر کرے۔

تقرب اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب تک کہ اوس کے حصول کے راستوں پر زندگی بسر کیجائے نہ یہ کہ ان اعمال میں مبتلا رہا جائے جس سے مقصد اصلی فوت ہوجائے۔ جو ذریعہ کسی مقصد کا تھا وہ مقصد حیات ہوجائے۔

دنیا سے مراد ان افعال واشغال میں انہماک کے ہیں جس سے ہم خود اپنے خالق سے غفلت میں پڑجائیں اگر ان تمام افعال واعمال میں اوس کی رضاجوئی ملحوظ رہے تو پھر دنیا کا ہر کام کرتے ہوئے

بھی وہ دنیا دار نہیں ہے بلکہ وہ کاسب ہے جس کی تعریف الکاسب حبیب اللہ ہے۔ اگر کوئی اس درجہ سے بھی زیادہ ترقی کرنا چاہتا ہے اور اوس کے لئے ان علائق میں بھی ایک رکاوٹ معلوم ہوتی ہے تو اوس کو مجبوراً ان کو بھی چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ تقرب رضائے الٰہی جو عین مقصد ہے وہ انہی ذرائع سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یعنی اوامر و نواہی کی پابندی سے وہ اس مقام پر پہونچ جاتا ہے جہاں وہ ان دنیاوی طریق معیشت سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی تمام خواہشات و آرزوؤں کو ختم کر دیتا ہے یعنی صرف مشیت الٰہی کا تابع ہو جاتا ہے اس کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ خدا سے ہی اوسکو طلب کرتا ہے ماسوا اللہ کے سامنے کبھی اوس کا دست حاجت دراز نہیں ہوتا نہ اس کو تلاش رزق کی پرواہ ہوتی ہے جبکہ اوس کے سامنے یہ فرمان کہ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا موجود ہو۔ اسکا جذبہ محبت دنیاوی تمام دل کش و حسین اشیاء و مال و زر کی وساطت سے حاصل ہونے والے عیش و تنعم سے بری ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ اس ذات احد کو اپنے عشق کا موضوع و مرکز بنا لیتا ہے۔ جس کے قبضہ میں نہ صرف اس دنیا کی ساری تعیشات و دلفریبیاں ہیں۔ بلکہ اوس کے قبضہ میں خود اس دلفریبیوں میں مبتلا ہونے والے کی جان ہے۔

ایاز کی شہرت کا باعث اوس کی یہ دانائی تھی کہ اوس نے محمود کے انعام و اکرام کی بجائے خود ذات محمود کو اپنے محبت کا مرجع بنا لیا تھا محمود نے جب زر و جواہر کے ڈھیر کو لوٹ لینے کا حکم دیدیا جس میں کسی کی روک ٹوک نہیں تھی تو تمام اہل دربار مصاحب فوجی سردار و امیر سب زر و جواہر کی طرف ٹوٹ پڑے اور صرف ایاز محمود کے جلو میں کھڑا رہا۔ محمود نے پوچھا کہ تم نے اس لوٹ میں حصہ نہیں لیا؟ جواب میں عرض کیا کہ مجھے تو ایسی ذات کی ضرورت ہے جس کے قبضہ میں اس سے کہیں زیادہ خزائن زر و جواہر ہیں۔ مجھے زر و جواہر کے مقابلہ میں آپ کی ذات زیادہ عزیز ہے!

غور فرمائیے کہ سلطان محمود کی نظروں میں وہ امراء یا فوجی سردار زیادہ محبوب ہونگے جنھوں نے گویا باتباع حکم ہی سہی۔ سلطان کی ذات سے تھوڑی ہی دیر کیلئے مفارقت اختیار کی۔ اور نسبتاً مالدار بھی ہو گئے یا وہ مفلس ایاز جو محض عشق ذات محمود میں باوجود ان دنیاوی واسطہ عیش و تنعم کی ترغیب کے مفارقت اختیار نہ کی۔ اور محمود کو اپنے مشاہدہ کا مرکز بنایا رہا۔

بعینہ یہی مثال ان خاصان خدا کی ہو جاتی ہے جو ان تعلقات مذکورہ کی جگہ عین روح و اسپرٹ

اسلام کی ہے کہ وہ ماسوی اللہ کے بجائے صرف ذات احد کی حضوری میں اپنا اپنا عین مقصد سمجھتے ہیں اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ شرع کے تارک یا کرامات کی شعبدہ بازیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالت جذب میں بھی حضرت مہدی موعود علیہ السلام سے شرع کی پابندی ساقط نہیں ہوئی۔ پیاپے روزہ اور فاقوں میں بعض لوگوں نے اصرار کیا تو ارشاد فرمایا کہ بندہ کو اتباع نہیں ہے۔ لیکن شرع کی اتباع میں کچھ کھا لیتا ہوں۔ بارگاہ رسالت پناہ میں بھی یہی مثال ملتی ہے۔

غرض اس کا مطلب یہ ہے کہ مہدویت عین اسلام ہے۔ اوس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اوامر ونواہی کی پابندی جو ایک خاص ماحول وطریقہ سے اختیار کی جائے تو تقرب بارگاہ رب العزت کا قریب ترین راستہ ہے۔

اب ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ ان تعلیمات کا کیا اثر ہوا۔ تاریخ اور ہماری قومی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کی تعلیمات اور آپ کے وعظ وبیان کا یہ اثر ہوا کہ وہ ساری ظلمت جو بدعات و غیر اسلامی رسوم پرستی کی تھی جو شرک کی حد تک پہنچ چکے تھے اس طرح کافور ہونے شروع ہوئے جس طرح آفتاب عالمتاب کے سامنے شبنم کے قطرات۔

زمانہ چونکہ مقتضی ہو چکا تھا کہ کوئی خلیفۃ اللہ مبعوث ہو۔ اس لئے نہ صرف غریب لوگ جس طرح حضرت عیسیٰ ع کے رفقاء تھے۔ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے حلقہ بگوش ہوئے بلکہ جلیل القدر بادشاہ، امراء، سرداران فوج وسپہ سالار اور بڑے بڑے جلیل القدر علماء صلحاء آپ کے حلقہ بگوش ہونے شروع ہوئے۔ باتباع سنت نبوی آپ نے ہجرت اختیار فرمائی کیونکہ بلغ ما انزل الیک کی پوری تکمیل اس ہجرت میں مضمر ہے۔ ہجرت سے تبلیغی سلسلہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اقطاع ہند خراسان عرب میں آپ کے لاکھوں حلقہ بگوش ہوئے۔

ان حلقہ بگوشوں کی دو تقسیمیں کی جا سکتی ہیں ایک تو یہ کہ جنھوں نے حضرت امامنا علیہ السلام کی محبت ورفاقت کو ہی اپنے لئے نعمت قرار دے لیا جس میں جلیل القدر علماء، واکابرین، امراء و غریب بے نوا حتی کہ متاہل افراد تک شامل تھے۔ اوس فیض روحانی و ذوق جلوۂ ربانی نے جو حضرت کی صحبت میں انہیں حاصل تھا۔ دنیا کی تمام لذات کو ان کے پاس بے مزہ کر دیا تھا۔ چنانچہ سفر خراسان کے وہ شدائد کہ لق ودق وپرخطر ہامون کا جنگل جس میں نہ زاد راہ ہے اور نہ کافی سامان

مصروف ہے۔ خاصانِ خدا کی یہ جماعت پروانہ وار حق رفاقت ادا کر رہی ہے۔ فاقوں کی وہ کیفیت ہے کہ
ماؤں کا دودھ خشک ہو رہا ہے۔ پتوں کے کھانے سے جسم بدرنگ ہو چکے ہیں پاؤں میں آبلے پڑ گئے
ہیں جسم پر بقدر ستر ایک آدھ کپڑا ہے ایک ذوق خدا طلبی ہے کہ ان شدائد کو پرکاہ سے بھی زیادہ
وقعت نہیں دیتا۔ ایک صحابی جوان تمام شدائد کو برداشت کر رہے ہیں اور اپنے پاؤں کے آبلہ
سے جو ناسور کی شکل اختیار کر چکا ہے کانٹا نکال رہے ہیں ایسے میں حضرت امامنا علیہ السلام ان کے
پاس پہنچتے ہیں۔ صحابی ادباً عرض کرتے ہیں کہ حضرت آپنے ارشاد فرمایا تھا کہ میرے ساتھیوں پر
ایک زمانہ شدائد کا ایسا آئیگا کہ اگر جسم فولاد کا بھی ہوگا تو گھس جائیگا۔ وہ کب آنے والا ہے۔ آپ نے
ارشاد فرمایا کہ یہی وہ زمانہ ہے لیکن تمہاری قوت ایمانی نے اس کو آسان کر دیا ہے قافلہ کی اس کیفیت
کو دیکھ کر آپ رقت سے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ خداوندا تو علیم ہے کہ میں نے ان لوگوں کا کوئی
مال نہیں چھینا ہے جو اس کے لینے کیلئے میرے پیچھے چلے آ رہے ہوں یہ محض تیری رضا اور تیری طلب میں
ان شدائد کو برداشت کر رہے ہیں۔ تو انہیں اپنے فضل سے سرفراز فرما!!

آپنے دیکھا یہ قافلہ جس میں علماء ہوں صلحاء ہوں امراء ہوں آخر انہیں کس بات نے مجبور کیا تھا کہ اپنے
جاہ و جلال و عزت و آرام کو چھوڑ کے اس بے نوائی و آبلہ پائی سے پروانہ وار کسی کے پیچھے ہولیں عقل سلیم اس
بات کو ماننے پر مجبور ہے کہ یقیناً کوئی ایسی لذت ضرور ہوگی جس کا اسما دنیا کی ساری دولت و حشمت کی پیدا
کردہ لذت مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ؎

ذوق این بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

حضرت امامنا علیہ السلام کے وصال کے بعد جب صحابہ اور ان کے خلفاء تبلیغ کے لئے اقطاع
ملک میں پھیل گئے تو انہوں نے جہاں دائرہ قائم کیا اوس کے حدود کے اندر صرف خدا ہی کے قانون
کی پابندی ہوتی۔ اوامر و نواہی کی تعمیل میں جس سے قصور سرزد ہوتا فوراً دائرہ سے خارج کر دیا جاتا
ان کا دائرہ عمل اعلاء کلمۃ الحق و تسبیح و تحمید لب عزوجل تک محدود تھے۔ حدود دائرہ کے اندر صرف
اسلامی قانون کا نفاذ تھا۔ جہاں تمام افراد مساوی تھے۔ تکریم کا ذریعہ تقویٰ تھا۔ اشاعت حق و
ترویج و اتباع سنت ان کا وظیفہ حیات تھا۔ دست سوال دراز کرنا حرام تھا۔ اگر کچھ راہ خدا مل جاتا
سب میں سویت کر لیا جاتا بھوک کی شدت محسوس ہوتی تو یاد خدا میں مشغول ہو جاتے اور اس میں ایسی

محویت و لذت پاتے کہ شدت بھوک کی رفع ہو جاتی اور شان استغنا ٹپکنے لگتی ۔ راہ خدا میں جہاد کے لئے ہر وقت سر بکف رہتے ۔ ہر فرد باتباع سنت مسلح رہتا ۔ غرض دائرہ اصلی معنوں میں حکومت الٰہیہ کی مکمل شکل تھی گو وسعت میں چھوٹی ہو ۔ حقیقتاً نیک بندوں کی جائے قیام یا پاکوں کا استھان یا مرکب کرلیں تو پاکستان تھی ۔ جس میں اوامر و نواہی کے سوا اور قانون کا دخل نہیں ہو سکتا ۔ دراصل پاکستان وہی ہو سکتا ہے جہاں حکومت الٰہیہ یا خدائی قانون نافذ ہو ۔ ورنہ جہاں انسانی قانون رائج ہوں وہاں امکان ہے کہ پھر طاغوتیت اپنا سر نکالے ۔

دوسری وہ جماعت تھی جنھوں نے بحکم حضرت امامنا علیہ السلام تصدیق و بیعت کے بعد اپنے وطن میں کسب معیشت کو ان حدود میں ہی رکھا کہ ان پر باوجود دنیاوی امور سے تعلق رکھنے کے دنیا کی محبت خدا کی محبت پر غالب نہ آسکی اور انکا حسب عبید اللہ کا صحیح مصداق تھے ۔

سلطان حسین شرقی سلطان محمود بیگڑہ ، سلاطین گجرات ، میر ذوالنون ، سلطان ہرات وغیرہ سلاطین کی چند مثالیں ہیں امراء و سپہ سالاران کی تعداد کو گنا یا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے ۔

دکن کی سلطنتوں میں بھی ایسے نامور مہدوی نظر آتے ہیں ۔ جن کے ہاتھوں میں سلطنتوں کا پورا انتظام عزل و نصب تھا ۔ احمد نگر میں جمال خاں مہدوی کے جو کارنامے ہیں اس کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے کیسی وفاداری و جاں نثاری اور اطمینت فرماں روائی کا ثبوت دیا ہے ۔

سلطنت بیجاپور عادل شاہیہ میں شہزادہ خاں مہدوی کی خدمات کا آج بھی تاریخ اعتراف کر رہی ہے کہ سلطنت کا استحکام انہیں ہاتھوں تھا جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں ۔ عماد شاہیہ ۔ برید شاہیہ کی تاریخ اور وہاں کے آثار اس بات کے گواہ ہیں کہ مہدویہ نے ان کے استحکام و ترقی میں اپنی جاں نثارانہ و وفادارانہ خدمات سے کیسے چار چاند لگائے تھے ۔

سلطنت اسلامیہ میسور کے بانی حیدر علی بہادر شاہ کی استحکام سلطنت میں ایسی رفاقت کی تھی کہ اس نے اپنی نصیحت میں ٹیپو سلطان سے کہا تھا کہ کبھی مہدویوں سے نہ بگاڑ لینا ۔ یہ ہماری سلطنت کی طاقت اصلی ہیں ۔ لیکن جب میر صادق اور اس کے غدار رفقاء نے اپنی غلط کاری کے راستہ میں مہدویہ کو مزاحم پایا تو انہوں نے سب سے بڑی اور بدترین حرکت جو سلطنت کی تباہی میں کی وہ ٹیپو سلطان کی شعلہ مزاجی و ناعاقبت اندیشی سے یہ فائدہ اٹھایا کہ مہدویہ کو سلطنت کی ملازمت سے سلطان

کو بہکاکر علیٰحدہ کرادیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیپو سلطان کی سلطنت میں سے ایک زبردست جاں نثار و وفادار عنصر علیٰحدہ ہوگیا جس کی وجہ اس کی سلطنت تباہ ہوگئی - اگر یہ وفادار عنصر موجود رہتا تو ناممکن تھا کہ غیر وفادار اور غدار عنصر اس طرح اوس کی تباہی کے سامان پیدا کرسکتا -

اقطاع ہند میں سے کسی سلطنت کی تاریخ یہ نہیں بتلاسکتی کہ مہدویہ نے جس کی خدمت قبول کی دوران ملازمت میں اپنے آقائے مجازی سے کسی قسم کی بے وفائی یا جاں نثاری میں کوتاہی کی ہو - یہی سبب تھا کہ مہدویہ جہاں کہیں بھی رہے مقربان سلطانی رہے - جن کی شجاعت کے کارنامے غیروں نے یہ لکھا ہے کہ ان میں کا ہر ایک رستم کہلانے کا مستحق تھا -

بلکہ بعض سلطنتوں میں شاہی حقوق کی حفاظت میں جانوں کی بازی لگاکر بادشاہتیں دلوائی ہیں اس لحاظ سے مہدویہ کو بادشاہ گر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا چنانچہ ریاست جے پور اس امر کی بین دلیل ہے - اسی طرح کی اور مثالیں تاریخ میں اکثر و بیشتر ملتی ہیں یہ اونکی انصاف پسندی اور وفاداری کا عالم تھا - بے جگری کا یہ عالم تھا کہ تنہا فرد کیسی ہی بڑی جماعت سے بھی مقابلہ کیلئے نہیں ڈرتا - تاریخی مثالیں موجود ہیں کہ

ایک سردار پندرہ سولہ سواروں کی جمعیت سے ایک پوری باقاعدہ سپاہ پر جو توپوں کا پرا جمائے کھڑے ہوئی ہے حملہ کردیتا ہے اور توپوں کی قیامت خیز گرج و شعلہ افشانی میں خود توپوں پر ٹوٹ پڑتا ہے اور توپوں پر قبضہ کرلیتا ہے جس میں اوس کے ساتھیوں میں کچھ تو پرزے ہوکے اڑ جاتے ہیں اور خود کی ایک ران بھی اڑ جاتی ہے - گھوڑے سے گر پڑتا ہے جسم سے خون نکلا جارہا ہے کچھ ہوش آتا ہے تو ساتھی سے دریافت کرتا ہے کہ کیا نتیجہ برآمد ہوا - کہا جاتا ہے کہ حملہ کامیاب ہوا - ہم نے توپوں پر قبضہ کرلیا ہے - لیکن جوابی حملہ ہو رہا ہے ہم نرغہ میں ہیں - اس اثنا میں مقابل کے سرداران فوج اس زخمی شیر کے پاس پہنچتے ہیں جو اس دنیا میں چند منٹ کا مہمان ہے تعظیماً سروں کو جھکا کر اس شجیع کی شجاعت کی داد دیتے ہیں - اوس کی خواہش دریافت کرتے ہیں - جواب ملتا ہے کہ میری کوئی خواہش نہیں ہے - صرف یہ کہ میری لاش میرے ساتھیوں کے حوالہ کردیجائے تاکہ مذہبی رسوم کی ادائی کے ساتھ دفن کردی جاسکے -

یہ اونکی شجاعت کے نمونے تھے اونکی اقتصادی حالت جو اون کی جفاکشی و جوانمردی

کا ماحصل تھی۔ یہ کیفیت رکھتی تھی کہ سلطنتوں کو بعض وقت مالی مشکلات میں اون سے طلب امداد کرنی پڑتی تھی۔

باوصف اس تمول کے اون کے دلوں میں زر و جواہر کی بہ مقابلہ اون کے مذہب کے خزف پاروں سے زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ چنانچہ جب کبھی ایسی صورت سے دوچار ہونا پڑا کہ چاہے سیم و زر کو خطرہ میں ڈالو یا مذہب کو خطرہ میں ڈالو تو وہ سیم و زر کو صرف ان الفاظ کے ساتھہ بنام مہدی گذاشتیم کہہ کر ٹھکرا دیا لیکن دولت مذہب کو اپنی جان کے ہوتے خود سے دور ہونے نہ دیا۔ ہر قسم کے شدائد قبول کیا۔ خارج البلد ہوئے جاہ و مناصب کو قربان کر دیا لیکن مذہب کی خدمت کی اور ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

الغرض تمول ایسا تھا کہ سلطنتوں کے اڑے وقت کام آتے تھے۔ اس تمول کا لازمی نتیجہ تھا کہ ان میں فارغ البالی کے ساتھ حسن و تنومندی پیدا ہو چنانچہ لوگ اونکی سواریوں کو نہایت اشتیاق سے دیکھا کرتے اون کی شرافت نفس کا یہ حال تھا کہ غیر کی ناموس کو اپنی ناموس سمجھتے اور اپنی نسل کی اور خون کی حفاظت اس طرح کرتے ایسے بجز نجیب الطرفین کے جس کا شجرہ نسب مصدقہ ہو کسی غیر کفو میں عقد نہ کرتے جس کا نتیجہ یہ تھا بجز اکتسابی ملکات کے وہ ملکات جو وہبی اور صلبی ہوتے ہیں اون میں برابر متوارث ہوتے باوجود کئی پشتیں گزر جانے کے اون میں وہی حمیت باقی رہتی جو مخلوط النسل میں نہیں پائی جا سکتی۔ یہی راز اب یورپ نے معلوم کیا ہے کہ نسل کی حفاظت کی جائے اور خون کو مخلوط ہونے سے بچایا جائے قوی خصایص خالصتاً متوارث ہوں ہم اس نسخہ کو صدیوں پہلے سے آزماتے چلے آتے ہیں انسان جب گھوڑوں اور کتوں میں اون کے نسب کو اور اس کی نسل کی حفاظت کرتا ہے تو سمجھہ میں نہیں آتا خود انسان اپنے لئے اپنی حفاظت نسل پر کیوں متوجہ نہیں ہے اس لاپروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں مخلوط النسل آبادی زیادہ ہو گئی ہے جس کی وجہ وہ اس نظریہ کو اپنے لئے ایک توہین سمجھتے ہیں۔

یہ قیاس ہم نے من حیث المجموع پوری ملت مہدویہ کی پورے اقطاع ہند سے پیش کیا ہے جو اون معزز مہمانوں کے ذہن میں بھی موجود ہیں لیکن ان مہمانان کی واقفیت کی خاطر میں اس ریاست ابد مدت صانہا اللہ تعالیٰ عن شرور والفتن سے متعلق بھی ہماری وفاداری و جاں نثاری کی حقیقت سے جو خدمات ہم نے انجام دیں اور جس کے صلہ میں سلاطین آصفیہ خلد اللہ ملکہ نے جو سرفرازیاں

بخشیں انکو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ تاسیس سلطنت اسلامیہ آصفیہ سے کوئی دور ایسا نہیں ہے جس میں مہدوی جان نثار مقرب بارگاہ سلطانی اور مورد الطاف ہمایونی نہ رہے ہوں۔ بڑی بڑی مہمات سلطنت اون کے ذمہ کی گئی جس کو انہوں نے باقبال شاہانہ ہمیشہ بصورت فتح و ظفر سر کیا۔ بغاوت کرناٹک و پلگنڈل فرو کیا خطابات میراں یار جنگ، تدبیر الدولہ، دبیر الملک سے سرفرازی حاصل ہوئی۔ سرناپلی کی بغاوت فرو کی جسکے صلہ میں خلعت و مناصب سے بھی سرفراز ہوئے کسی کو وفاداری و جان نثاری کے صلہ میں خوابگاہ ہمایونی کی حفاظت سپرد ہوئی۔ حرم شاہی کی سواریوں کی حفاظت و جان و ناموس کی ذمہ دارانہ خدمات پر مامور ہوتے رہے۔ انہی خدمات کی پسندیدگی کا اظہار ارشاد شاہانہ ہوا کہ مہدوی میری ٹوپ کی تلوار ہیں وہ تلوار جو کمر سے لگی ہوئی موجود ہو۔ تخت نشینی کے ایک موقعہ پر جبکہ سلطنت کے داخلی انتشار کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا جانبازی و تدبیر سے وہ وفادارانہ خدمت انجام دی کہ الطاف شاہانہ نے سرفرازی سے ذرہ کو آفتاب بنادیا۔ کسی نے ذات ہمایونی کو فن سپاہ گری و نشانہ اندازی کے سکھلانے کا اعزاز حاصل کیا۔ کسی نے سیر و شکار میں ہمرکابی کا شرف حاصل کیا غرض کہ مہدویہ نے سلاطین آصفیہ سے وہ وہ مراحم خسروانہ و الطاف شاہانہ حاصل کئے کہ وہ پوری قوم کیلئے اور آئیوالی نسلوں کیلیئے موجب صد فخر و مباہات ہیں۔ یہ سب نتیجہ تھا اونکی وفاداری و جان نثاری کا چنانچہ اس کی تصدیق میں اعلیحضرت غفران مکان کا وہ ارشاد شاہانہ جو اڈریس مہدویہ کے جواب میں فرمایا گیا کافی ہے۔ جس کے مفہوم کو میں اپنے الفاظ میں آپکے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اعلیحضرت غفران مکان نے مہدویہ کے اسلاف کی جان نثارانہ و وفادارانہ خدمات کا جو انہوں نے اس مملکت کے استحکام اور داخلی امن کے تمام میں اپنی جانی و مالی قربانیوں سے کی تھی اظہار پسندیدگی فرمایا اور یہ توقع ظاہر فرمائی کہ تم چونکہ اپنے اسلاف کے اخلاف ہو جنہوں نے اپنے وفادارانہ خدمات سے سلاطین آصفیہ کی خدمت کی ہے اسلئے وہ ہر وقت ملک و مالک کی خدمت پر مستعد و تیار رہینگے چنانچہ یہ دو اشعار اسی اڈریس کے جواب کا جزو ہیں

ب۔ دلاوری کہ یہ معنے ہیں دل قوی رکھنا ؛ جو ہیں دلیر و دلاور انہوں نے پایا اوج

درست و چست رہو ہے یہ خواہش آصف ؛ کہ جانتے ہیں تمہیں کہ ہو فتح جنگ کی فوج

آپ کے ذہن میں شاید یہ خیال ہو رہا ہے کہ یہ تمام قصۂ پارینہ ہے کیا حاصل ہے کوئی ایسا نمونہ ایسے خصائص جاں نثاری و وفاداری وغیرہ جس کی کئی مثالیں اوپر بیان کی گئی ہیں پیش کیا جائے جسکو ہماری آنکھوں نے دیکھا ہو یا دیکھ سکیں میرے لئے نہایت ہی آسان ہے شاید آپ کا ذہن اس طرف متوجہ نہیں ہو سکا

میں اس بابرکت دور عثمانی میں بھی اس کی کئی زندہ مثالیں آپ کیلئے فراہم کر سکتا ہوں میں ان ہستیوں کے نام گنانے سے اس لئے اعراض کر رہا ہوں کہ طول بیانی سے آپ بیزار نہ ہو جائیں حالانکہ ان کا ہر ایک مستحق ہے کہ ان سے شاہ فرحجاہ اعلیٰحضرت سلطان العلوم حکیم السلطنت کی مدبرانہ و رعایا پرورانہ اصول فرمانروائی سے رعایا ملک کو بہرہ ور کرنے میں جانفشانی کے ساتھ خدمت ملک و مالک کا ثبوت دیا ہے ان کا تذکرہ کیا جائے۔

اس بابرکت دور عثمانی نے جہاں اس ریاست ابد مدت کے ہر شعبۂ حیات میں خواہ رعایا پروری و عدل گستری سے متعلق ہو یا علوم و فنون کی ترقی و اشاعت سے متعلق ہو اس برق رفتاری سے ارتقائی منازل طے کیے ہیں کہ اس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ رعیت کی خوشحالی اور سلطنت کے استحکام کی یہ نوبت پہنچ چکی ہے کہ اس کا شہرہ نہ صرف ہندوستان تک محدود ہے بلکہ ساری دنیا اس سے متعارف ہے اس محاربۂ عظمیٰ میں جس نے سارے ربع مسکون کی آبادی میں ایک ہل چل ڈالدی اور اپنے ہلاکت بار اسلحہ سے محاربین نے جن پر خود ان کو کوئی قابو نہ تھا کہ معافی و غیر معافی کا تمیز نہ کر سکیں کروڑوں کی تعداد کو فرشتہ اجل کے رجسٹرات میں مندرج کرا دیا اس قہر کے فاتحانہ اختتام میں جو انسانی خواہشات کے تصادم کا نتیجہ تھا۔ اعلیٰحضرت خسرو دکن و برار خلد اللہ ملکہٗ نے جو شاہانہ امداد کی ہے اس کے اعتراف میں اعزاز رائل وکٹورین چین کافی نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ ان فرائض شاہانہ کے نظر کرتے شاہ فرحجاہ نے نہ صرف اپنی عزیز رعایا کو جنگ کی پیدا کردہ بلائے قحط غذا سے بچایا بلکہ دیگر اقطاع کی اجناس سے امداد کر کے وہاں کی انسانیت کو ورطۂ ہلاکت سے بچایا جبکہ لاکھوں انسان فاقوں سے مر چکے تھے اگر امداد نہ کی جاتی تو لاکھوں کا اور اضافہ ہو جاتا۔

سلطنت میں دوران جنگ میں وہ امن و امان رکھا کہ دیگر اقطاع اس سے سبق لے سکتے ہیں ان حالات میں وفادار و جاں نثار رعایا کا بلا مخالفت احدے یہ تقاضا ہے کہ سلطنت کے وہ حصے جو خاص حالات کے تحت اس سلطنت ابد مدت سے علحدہ کر دئے گئے تھے پھر اس سلطنت کو واپس

کر کے اس کا جز بنا دیتے جائیں اور شاہ ذیجاہ کا صحیح لقب جلالت الملک ہی ہو سکتا ہے۔

ایسے وجود ذی جود کے پرتو کا تقاضا تھا کہ اس کے جان نثار وفادار کسب کمال کرتے چنانچہ اس دور میں ایسی ہستیاں نظر آتی ہیں جنھوں نے تاریخ دکن میں سنہری باب کا اضافہ کیا ہے جس میں سے بحمد اللہ ایک ہستی تو موجود ہے جو بہ حیثیت صدر انجمن مہدویہ ہماری رہبری کر رہی ہے جن کا اسم گرامی مولوی ابوالحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ ہے ان کے محاسن و اوصاف کا انکی حضوری میں آپ سے بیان کرنا ایسا ہی ہے کہ ایک بینا آنکھ رکھنے والوں کے سامنے آفتاب کے انوار کا ذکر کیا جائے البتہ انہوں نے اس ہستی کے ساتھ جو اس وقت ان سرکی آنکھوں سے تو اوجھل ہے لیکن شبکیہ سے ہنوز اس کا تہیج دور نہیں ہوا ہے اور جو قلب کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت موجود ہے جو تعاون و حق رفاقت ادا کیا ہے اوس کی تصدیق اس کی جانشینی کے واقعہ سے اظہر من الشمس ہے کہ قائد ملت شہید نے جس پودے کو لگا کے نشو و نما کی تھی پوری احتیاط سے اس سے جو قابل تعریف ثمرہ حاصل کیا تھا اس نے اپنی جانشینی سے اوس پودے کے ثمرہ کو اسی ذائقہ پر قائم رکھا جو اس کے صحیح جانشین ہونے کی بین دلیل ہے یہاں اگر یہ سوال پیدا ہو کہ کسی درخت کے ثمرہ کے ذائقہ میں کہ وہ شیریں بنایا جائے یا ترش بنایا جائے اس میں باغبان کا کیا دخل ہے البتہ کثرت و قلت پیداوار نگہداشت کی کمی و بیشی سے متاثر ہو سکتی ہے۔

حضرات! جن احباب کو فن باغبانی سے لگاؤ ہے اون سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ ایک پودہ سے فنی عملیات کی صحت یا غلطی سے شیریں یا ترش ثمرہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مثالاً انگور کی بیل کو لے لیجئے اس بیل کی اگر کوئی ماہر باغبان شاخ تراشی کرے تو میٹھے انگور اتر ینگے جسکے ذائقہ کی سب تعریف کرینگے اسی بیل کو اگر ناواقف باغبان کے حوالہ کر دیا جائے اور وہ شاخ تراشی میں غلطی کرے تو لازماً اوسی بیل سے کھٹے انگور اتر ینگے۔

سوال کرنیوالے اگر باغبان کو اس ثمرہ کا ذمہ دار قرار نہ دے کر نفس بیل پر اسکی ذمہ داری عاید کریں تو آپ خود اس کا تصفیہ فرما سکتے ہیں کہ کہاں تک بجا اور صحیح ہو سکتا ہے۔

اس ہستی کا جس کا میں نے نام نہیں لیا ہے ذرا سی وضاحت سے اس کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اس سے میری مراد حضرت قائد ملت محمد بہادر خان شہید اعلی اللہ مقامہ کی ذات سے ہے اس نمونے کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ لیجئے اور جتنے خصائص مہدویہ کے اوپر گنائے گئے ہیں اون میں سے ایک ایک خاصہ کا

اس ذات میں پتہ لگائے اگرچہ یہ نمونہ اوسط سے زیادہ ہے مگر ہم اون اوصاف کو جو خاص وہبی طور پر اُس ذات میں جمع تھے علحدہ کرلیں تو پھر وہ نمونہ ایسا ہوسکتا ہے کہ جس کی ہم بے شمار مثالیں پیش کرسکتے ہیں۔

مثلاً حضرت قاید ملت رحمتہ اللہ علیہ نجیب الطرفین تھے۔ امیر ابن امیر تھے ملک و شاہ ذیجاہ کے سچے وفادار اور بہی خواہ تھے۔ بے پناہ شجاعت کے مالک تھے۔ پکّے اور سچے مہدوی تھے۔

اقطاع ہند و دکن کے بڑے بڑے مجامع میں انہوں نے اپنی مہدویت کا صاف الفاظ میں اعلان فرمایا۔ جوان صالح تھے۔ عنفوان شباب کی ہر قسم کی بے اعتدالیوں سے پاک اور بری تھے۔ خطابت و طلاقت لسانی کا وہ عالم تھا کہ سامعین پر ایک وجد اور مستی کا عالم طاری ہوجاتا۔ علم دین یعنی فقہ و حدیث اور قرآن کے عالم تھے۔ علم دنیا و زبان دانی سے متعلق ان کا کتب خانہ اور وہ لوگ اون سے ملاقات کی عزت حاصل کرچکے ہیں گواہ ہیں۔

حضرات کرام! اس تفصیل سے میرا مطلب یہ ہے کہ ان اوصاف مذکورہ میں چند وہی اوصاف ہیں جو غیر اکتسابی یا غیر اختیاری ہیں مثلاً نسب، عنفوان کی بے اعتدالیوں سے محفوظ رہنا، طلاقت و خطابت اور شجاعت خاص وہبی اور عطیۂ فضل ربانی ہے بقیہ اوصاف اور مہدوی نمونوں میں خواہ اسلاف ہوں کہ اخلاف مل سکتے ہیں لیکن ایک خاص کارنامہ جو مہدویہ کا کارنامہ ہے وفاداری و جان نثاری ملک و مالک میں جو حضرت قاید ملت اعلی اللہ مقامہ نے انجام دیا وہ ایک خاص امتیازی فرق رکھتا ہے جتنے مہدوی نمونے اسلاف و اخلاف کے بیان کئے گئے اون میں صرف آقائے مجازی کے ساتھ اون کی وفادارانہ خدمات کا ذکر تھا لیکن عامتہ المسلمین اور اسلام کے اقتدار کی تقویت کے لئے جو خدمت حضرت قائد ملت شہید رحمتہ اللہ علیہ نے انجام دی ہیں اسکو قدرت نے خاص انہیں کیلئے مخصوص کیا تھا

حضرات۔ اس اشارہ سے میری مراد مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ سے ہے۔

مجلس اتحاد المسلمین کی تاسیس سے پہلے مسلمانان حیدرآباد کی جو حالت تھی وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے حیدرآباد میں بسنے والے مختلف فرقہ ہائے اسلام میں باہمی رابطہ معاشری حیثیت سے زیادہ نہیں تھا ہر فرقہ خود بالکلیہ ایک دوسرے سے بے تعلق تھا سرکاری اجتماع یا تفریحی مشاغل میں مسلمان جمع ہوجاتے لیکن جماعت واری یگانگت یا مغائرت قلوب میں اسی طرح باقی رہتی۔ کوئی ایسا پلاٹ فارم نہیں تھا جہاں تمام فرقہ ہائے اسلامی باہم متحد و متفق ہوسکیں جس کا نتیجہ

ہوا کہ بجز ادارہ سلطنت کے جمہور مسلمانان میں مختلف الخیالی اور فرقہ داری یگانگت کارفرما تھی۔

حضرت قائد ملت رحمۃ اللہ علیہ کی دوربین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ بیرون ریاست جو سیاسی طوفان برپا ہے اور جس قسم کی فرقہ وارانہ شر انگیزیاں ہو رہی ہیں لازماً اس ریاست ابد مدت میں بھی داخل ہونگی اور آیندہ ایسے موانع پیش آنے والے ہیں جبکہ تنہا حکومت اپنی گوناگوں فرائض ومشکلات کے نظر کرتے ان مسائل کو مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے تصفیہ نہیں کر سکے گی۔ جس کی وجہ مسلمانوں کے سیاسی واقتصادی حیثیت متاثر ہو جائے گی چنانچہ اس کے لئے ضرورت تھی کہ خود مسلمان نہ صرف اپنے مسائل کی آپ حفاظت کریں بلکہ اس ریاست ابد مدت کے اقتدار کی کاملیت کے لئے اپنے مساعی کو ایک مرکز پر مجتمع کرلیں۔ جس کی تاسیس میں اُن کے اسلاف نے اپنے جان ومال کو قربان کیا تھا۔ اور یہ دو وماں آصفی خلد اللہ ملکہ اُن کے اقتدار سیاسی کا مظہر اور ان کی ساری وفادارانہ وجان نثارانہ مساعی کا مرجع ذات شاہانہ کا کامل اقتدار تھا۔

اس سلسلہ میں کہ مسلمانوں میں مرکزیت پیدا ہو اور اون کے قلوب میں جو یگانگت باہمی مرتسم ہو چکی ہے اس کو دور کیا جائے اور اشتراک عمل کیلئے ایک نصب العین اور ایک پلاٹ فارم بنایا جائے جس میں ان تمام کا باہمی مفاد ہو جس میں ان کے اختلافی مسائل سے کوئی تعارض نہ ہو اس مردِ خدا مجاہد فی سبیل اللہ نے غور کیا کہ

ان طوفانوں کے مقابلہ کیلئے جو زیادہ تر مسلمانوں کے سیاسی واقتصادی حیثیت کو متاثر کرنے کیلئے برپا ہیں صرف اپنی مقاصد کو وجہ اشتراک قرار دے کر موقتی طور پر کوئی تنظیم کی جائے تو وہ لازماً اس خاص ضرورت کے رفع ہو جانے کے بعد باقی نہیں رہیں گی اور ہر وقت اس بات کی ضرورت رہیگی کہ کوئی ایک فرد جس میں خاص بصیرت ودیعت ہو تنظیم کیا کرے بلکہ اوس نے کہا کہ اون تعلیمات کو جس نے خود اس مرد مجاہد میں یہ بصیرت اور فراست ایمانی عطا کی تھی کیوں نہ عام کردی جائے چنانچہ اس حقیقت کے منکشف ہوتے ہی اوس نے طوفانوں کے آنے سے پہلے ہی جمہور مسلمانوں کی تربیت وتنظیم آغاز کردی تا اون میں ہر جہتی شعور پیدا ہو جائے جو دونوں جہاں کی زندگیوں میں اون کے مرتبہ کو بلند کردے چنانچہ اس نے مرض کا صحیح پتہ لگا کے کہ مسلمانوں کی پستی ونامرادی کا باعث اونکی اسلام سے بے بہرگی تھی اور اسلام کی تعلیمات مقرون وتشکل صورت میں صرف سرکار کونین صلعم کا اسوۂ حسنہ تھا جہاں مسلمانوں کا

ہر مکتب خیال یک زبانی پر مجبور تھا اور اس اسوہ پاک کے ہر گوشہ کو جو کوئی بیان کرتا اوس سے مسلمانوں پر اسلام کے مختلف گوشے منکشف ہوتے چونکہ اسلام دین و دنیا دونوں کی فلاح و سرخروئی کا ضامن مکمل ضابطہ حیات تھا جس میں نظری عملی دونوں موزنیں موجود تھیں جس میں حکومت و کلیسا کی تفریق نہیں تھی۔ غرض یہ کہ محض اسلام یا اسوہ حسنہ سے مسلمانوں کا واقف ہو جانا اس ساری بلاؤں کے دور کرنے کے لئے مسلمانوں کا اپنی استعداد و قوت پیدا کرنے کے مرادف تھا اور اس میں یہ قوت تھی کہ جو اس سے واقف ہو جاتا وہ خود بغیر کسی قائد کے ہر وقت دو جہاں کی زیبر قیادت ہو جاتا۔ چنانچہ قائد ملت نے سب سے پہلے میلاد النبی صلعم کے جلسہ میں مختلف مکتب خیال کے مسلمانوں کو اس پاک پر وعظ و تقریر کرنے کے لئے جمع کیا اور خود انہوں نے مواعظ میں حیات پاک کے وہ وہ نمونہ پیش کئے کہ سارا مجمع اپنے قلوب میں ایمان کے لہریں موجزن دیکھتا اور ذات رسول اکرم کا سچا عاشق بن جاتا اور خود میں پیروی سُنّت کا تقاضہ محسوس کرتا چنانچہ چندہی سالوں میں اوس نے اپنی اشعاعہ بیا جولے سے جس میں اہم مقبولیت و تاثر میں خود اوس کے کردار و اتقار نیز موضوع کا تقدس و پاکی کو حاصل تھا نہ صرف حیدرآباد بلکہ سارے ہندوستان کے قلوب کو اسلام کی محبت سے گرما دیا۔ بمصداق

ذکر اوس پری وش اور پھر بیاں اپنا

اُس نے بغیر ایک لفظ سیاست کا برتے صرف اسلام کی تعلیمات کو پیش کر کے وہ سیاسی شعور اور مختلف نظریات اقتصادی و معاشرتی سے متعلق وہ تنقیدی صلاحیت مسلمانوں میں پیدا کر دی کہ مسلمانوں نے محسوس کر لیا کہ ہماری کشتی اب بے ناخدا کے نہیں ہے جس کا بادبان سلامت اور جس کا لنگر درست ہے۔ شخصی فنا متلزم اجتماعی فنا نہیں ہے چنانچہ جب ازہان اس نوبت پر پہونچ چکے اوسی زمانہ میں اس نے مختلف فرقہائے اسلامی سے ایک ادارہ تشکیل دیا۔ جس میں ما بہ النزاع مسائل کو اونکی عالت پر چھوڑتے ہوے اون مسائل پر جوائیں ما بہ الاشتراک تھے تمام فرقہائے اسلامی متحد الخیال ہو گئے۔

اوس کے اولین ممبروں کے اسماء گرامی جنھوں نے اس کے بانی حضرت قائد ملت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس کی تاسیس میں مہدویہ کے نمایندوں کی حیثیت سے حصہ لیا مولانا سید شہاب الدین صاحب مولانا سید مرتضیٰ صاحب مولوی محمد عباس خان صاحب ایڈوکیٹ ہیں۔ ایسے زمانہ میں

سوء اتفاق یا حسن اتفاق کہ وہ طوفان جن کی آمد کا اوس دوربین نگاہوں نے پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا اوس مملکت اسلامیہ آصفیہ میں اپنے اثرات محسوس کرانے لگے ۔

پس موقعہ آگیا کہ فوراً حکومت کو واقف کرادیا جائے کہ مسلمان اپنے مسائل کو بہتر سمجھتے ہیں چنانچہ کسی خارجی یا داخلی دباؤ سے سلطنت اسلامیہ آصفیہ کی ماہیت اقتدار میں کسی قسم کا کوئی ردو بدل نہیں کیا جاسکتا یہ اقتدار محض ایک خاندان کے اقتدار کا مظہر نہیں ہے بلکہ مسلمانان مملکت کا بالخصوص اور بالعموم تمام ہند کے مسلمانوں کے سیاسی وقار کا مظہر ہے بحیثیت سلطنت اسلامیہ سارے مسلمان اوس سے اپنی وابستگی اور دلی عقیدت رکھتے ہیں چنانچہ اس خیال کے پیدا کرنے میں نہ صرف اوس نے ساری بلاد اسلامیہ میں اس نظریہ کو پیش کیا بلکہ سارے ہند کے مسلمانوں کو اس سلطنت سے اپنی وفاداری و وابستگی کا شیدا کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طوفان جس نے ہند کی اکثر ریاستوں میں جو اودھم مچا رکھا تھا حیدرآباد میں اوس کی طوفان سامان مسلمانوں کی تنظیم کو اور زیادہ مستحکم وقوی بنانے کا باعث ہوئی ۔ اس طوفان شور وشغب میں جو زیادہ تر باہر کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا بدامنی کا باعث ہوا جس میں ملت اسلامیہ حیدرآباد کی خدمت میں ہمارے دو کرم فرما نوجوانوں نے جام شہادت نوش کیا جن کے نام حضرت اللہ بندے میاں شہید و حضرت نواز خان شہید ہیں ان کی شہادت کے ردعمل کے طور پر سارے حیدرآباد کے مسلمان جوش انتقام میں دیوانہ وار ان شہداء کے جنازے کی شرکت کے لیے چنچل گوڑہ پہونچے اور مجمع کی غضبناکی کا یہ عالم تھا کہ تصور سے وحشت ہوتی ہے کہ اگر قائد ملت رح کی ذات اوس مجمع کو قابو میں نہ رکھتی تو معلوم نہیں حیدرآباد میں کتنا خون بہ جاتا ۔ کم از کم تاریخ اس کا پتہ نہ دے سکتی گورنمنٹ حیدرآباد نے بھی انکی اس وفاداری وجان نثاری کی داد دی کہ انہوں نے امن قائم رکھ کر حکومت کی بہت بڑی خدمت کی ۔

مسلمانوں کے حقوق کے سلسلہ میں وہ جان نثاری کی کہ اون کے سیاسی امتیازی موقف کو متاثر نہیں ہونے دیا بلکہ اوس کے متعلق تیقنات حاصل کئے جو مسلمانوں کے حق میں منشور اعظم کا حکم رکھتا ہے ان کی خدمات حیدرآباد ہی مسلمانوں تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ہندوستان کے تمام ریاستوں کے مسلمان ان کی خدمات کے ممنون ہیں ۔ کشمیر محض مسلمانان کشمیر کے حقوق کی حفاظت کیلئے آپ تشریف لے گئے تھے لیکن ریاست نے جس بدتہذیبی [illegible]

اندھیری رات میں جبکہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی ایک جنگل میں ریاست کے حدود کے باہر انکے
چھوڑ دیا بیگم قائد ملت تک کو اطلاع یا انہیں ساتھ نہیں لینے دیا ۔ یہ وہ ریاست ہے جہاں
۹۵ فی صدی مسلمان ہیں ۔ غربت ، افلاس و نامرادی اون کے خاص امتیازی اوصاف ہیں ۔
حالانکہ مقام مناظر کے اعتبار سے جنت نظیر ہے ۔ جہاں جو مرغ کباب بھی جائے انکو بال و پر
پھوٹ آتے ہیں لیکن حکومت کے استبداد و غیر انسانیت طرز عمل کی وجہ وہاں کے باشندوں
کے دل مرغ کباب بن گئے ہیں جس کی ادنی امثال قائد ملت جیسی ہستی سے اوس ریاست کے
ناعاقبت اندیش حکومت کا سلوک ہے ۔ غرض ان بے لوثانہ خدمات کا نتیجہ تھا کہ تمام
فرقہ ہائے اسلامی اونکو باتفاق منصب قیادت کا سزاوار سمجھتے تھے ۔ حاسدوں نے اونکی
ہر دلعزیزی کو گرانے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں کا شعور بیدار ہو چکا تھا اونہوں نے پہچان
لیا تھا کہ جس طرف بلا رہا ہے وہی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا راستہ ہے ۔

اوس نے ببانگ دہل ہزاروں کے اجتماع میں کہا مشہور کیا جاتا ہے کہ میں مسلمانوں کو دھوکہ
دے رہا ہوں ۔ لہذا مسلمانوں مجھ سے اچھی طرح واقف ہو جاؤ بطور مزید میں خود بھی تم کو بتا دینا چاہتا
ہوں کہ تم مجھ کو اپنا قائد سمجھتے ہو اور مجھ پر اعتماد رکھتے ہو سن لو کہ میں مہدوی ہوں ۔ مہدوی
رہونگا اور مہدوی مرونگا ۔ اسی طرح میں چاہتا ہوں ہر جماعت اپنے معتقدات میں اس طرح
راسخ رہے لیکن ما بہ الاشتراک امور میں جس کی زد پوری ملت اسلامیہ پر پڑتی ہے اوس
میں ایک مرکز اور ایک قائد کی اتباع کرے اگر کوئی ہستی ان خدمات کو انجام دینے بڑھتی ہے تو میں
اس کے زیر قیادت کام کرنے تیار ہوں ۔ لیکن اگر یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے اس خادم میں اس
خدمت کو انجام دینے کی صلاحیت ہے تو پھر سمجھ لینا چاہیے کہ ایک مہدوی کی قیادت میں
آپ کو چلنا پڑے گا ۔ سارے مجمع نے باوجود انکی مہدویت کے اعلان کے انہیں کو قاید تسلیم
کیا اور اون کی اتباع میں وہ تنظیم کا ثبوت اور وہ سیاسی شعور کا اظہار کیا کہ خود قائد شہید اس سے
مسرت حاصل کرتے تھے ۔ مسلمانوں سے اونکو محبت تھی اس سے زیادہ اون میں مہدویت سے عشق
تھا اور مہدویت سے متعلق اپنے کئی وعظ و تقاریر میں فرمایا کہ مہدویت عین اسلام ہے ۔ مہدویت
مذہب عشق ہے اوس کی تعلیمات پر راسخ ایمان کے ساتھ عمل پیرا تھے ۔ اس زمانہ میں اگر کسی نے

اسلاف مہدویہ کے کارناموں کو عملی طور پر پیش کیا تو یہی وہ ذات تھی۔ چنانچہ مذہب یعنے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں جس میں بلا امتیاز سب جماعتیں داخل ہیں اونہوں نے مناصب و جاگیر و خطاب کو حائل پایا تو اپنے مہدوی ہونے کا یہ ثبوت دیا کہ اون کو ترک کردیا۔ اور اُنہی خدمت کے سلسلہ میں ان کا ریاست کشمیر سے اخراج کیا گیا۔ چنانچہ جب اون کے کشمیر سے اخراج کے بعد مفقود الخبری مشہور ہوئی سارے قلوب میں تشویش و تردد کا طوفان بپا ہوگیا۔ لا تعداد نذر دوڑائے گئے۔ بحمد اللہ جب بخیر و خوبی واپس تشریف لائے تو اون کی گل پوشی کا نوجوانان مہدویہ نے انتظام کیا۔ دعوت بھی اس دعوت میں نہ صرف مہدوی موجود تھے بلکہ دوسرے فرقہ کے اصحاب بھی تشریف فرما تھے تیا مدظلہ نے فرمایا میری مفقود الخبری کی حد تک مہدوی نوجوانوں کی پریشانی واجبی تھی لیکن اخراج سے متعلق اونکا غم و غصہ جس طرح انہوں نے میرے جاگیر مناصب و خطاب کی واپسی کے وقت تردد کا اظہار کیا تھا میرے لئے حیرت کا موجب ہے دوسرے فرقہ کے بھائیوں نے جو تعلق ظاہر فرمایا وہ ٹھیک اور بجا تھا۔ مہدویہ کا یہ تردد بیجا نہیں ہوسکتا جبکہ میں یہہ دیکھتا ہوں کہ مہدویہ جس ذاتِ اقدس سے اپنا انتساب کرتے ہیں۔ اعلائے کلمۃ الحق و دین مقدسہ کے سلسلہ میں دنیاوی شان و شوکت اور جاہ و اعزاز کی سختی سے مذمت فرمائی۔ اور تبلیغ حق اور احیائے سنت میں خود ذات مقدس نے وہ وہ شدائد برداشت فرمائے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اور ذات اقدس کے رفقا و متبعین نے اس چشمۂ ہدایت سے وہ نعمت و عزت حاصل فرمائی کہ جس کی بدولت منشاء تخلیق تکمیل ہوگئی۔ اور ان کے قلب و دماغ میں وہ وجدانی کیفیت پیدا ہوئی کہ ان تعلیمات کی تبلیغ، احیائے سنت اور اتباع اسوۂ حسنہ میں انہوں نے اپنے جان و مال کو قربان کردیا۔ اپنے اہل و عیال سے مفارقت اختیار کی۔ اور اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہکر مختلف اقطاع ہند میں پھیل گئے۔ جن کے مزارات کے مقامات اس بات کی دلیل ہیں کہ باپ کی مزار کہیں ہے تو بیٹے کا مزار کہیں ہے اور پوترے کا مزار کہیں۔ غرض اسی طرح مختلف بزرگان دین کے مزارات مختلف اقطاع ہند میں پائے جاتے ہیں۔ جس کی علت غائی تبلیغ دین و احیائے سنت تھی۔ ان حالات میں میرے کشمیر سے اخراج پر مہدویہ کا تردد میرے ذات کو آمادہ

اپنے اسلاف کی تاریخ سے ناواقف ہوتے جارہے ہیں۔ مہدویہ کی ساری تاریخ اُن کی جانی و مالی قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔ بعض مثالیں تو ایسی ہیں کہ اُنھیں زندہ دیوار میں چین دیا گیا۔ جاہ و مناصب کو انہوں نے مذہب کے خدمت کے سامنے پرکاہ سے زیادہ وقعت نہیں دی۔ اور ہر جگہ اخراج کے شدائد تحمل اور مسرت سے برداشت کئے۔ اِن اسلاف کے نمونہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اگر جاگیر و خطاب واپس کر دئیے۔ یا کشمیر سے نکالا گیا تو کونسی تعجب کی بات ہے۔ تا وقتیکہ مہدوی خود کو اِن شدائد کے لئے تیار نہیں کریں گے حقیقتاً وہ کوئی معیاری کیفیت حاصل نہیں کر سکتے۔

یہہ موقع اُن کے محاسن گنانے کا یا اُن کی سوانح بیان کرنے کا نہیں ہے۔ تمام حیدرآباد اس سے واقف ہے۔ اُن کی زندگی حیرت انگیز تھی کہ تنہا شخص تمام حیدرآباد و مختلف اداروں کی تنظیم اور اُن کی رہبری کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں انجمن مہدویہ کا یہہ ایثار قابلِ مبارکباد ہے کہ اُس نے اپنے صدر کو اس بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ اپنی ساری توانائیوں کو نہ صرف انجمن مہدویہ پر صرف کریں۔ بلکہ عامۃ المسلمین مملکت آصفیہ و ہند کو جہاں جہاں انہیں ضرورت ہو مستفید کریں۔ ورنہ استحقاقاً صرف یہی انجمن اُن کی ساری خداداد صلاحیتوں کی حقدار تھی۔ اس لئے کہ جتنے کارنامے انہوں نے انجام دئے خواہ از قبیلِ دولت ہوں۔ خواہ از قبیل تربیت و علم ہوں سب کے سب مہدوی ماحول کا نتیجہ تھے۔ دولت جس سے انہوں نے تشنگانِ علم کی امداد کی۔ اور خود انہوں نے جو تعلیم دی وہ مہدوی اساتذہ حضرت علامہ شمسی رح اور حضرت مولانا مندوری کا فیضان تھا۔ اور سب سے بڑھکر اللہ جل شانہ کا احسان تھا کہ اُس نے وہ جوہر اُن میں ودیعت فرمایا تھا۔

میرا بیان نامکمل رہے گا اگر میں اس کا اظہار نہ کروں کہ حضرت قائد ملت رحمتہ اللہ علیہ کو اتنی سرگرمیوں کا وقت نہ مل سکتا اگر اُن کی متاہل زندگی کے سارے انتظامات کو حضرتہ بیگم قائد ملت نہ سنبھالتیں۔ اور اُن کے کاموں میں اُن کا ہاتھ نہ بٹاتیں غرض حضرتہ بیگم قائد ملت کا زہد و تقویٰ اور ملی ہمدردی ہر وقت اُن کے شریک کار رہتی۔ جہاں اور انعامات الٰہی اُن کے شامل حال تھے حضرتہ بیگم قائد ملت کی ذات میں خدا نے ان کو ایسی خوش نصیبی عطا کی تھی کہ اُن کا دولتکدہ

اس نصف احسن کی وجہ جنت تھا۔ اُن کے سارے افکار و آلام جو ملت کی خدمت کے سلسلہ میں پیش آتے، اس محترمہ کی رفاقت و غمگساری کی وجہ فرحت میں مبدّل ہو جاتے۔ اور انہیں اولوالعزم کر دیتے۔ خدا اس ہستی کو ملت کی اصلاح و تنظیم کے لئے بالعموم اور بالخصوص ہمارے طبقۂ نسواں کے لئے دیرگاہ سلامت رکھے۔ آمین۔

حسرت! جس طرح حضرت قائدِ ملت علیہ الرحمۃ کی زندگی حیرت انگیز تھی اُسی طرح اُن کی رحلت بھی حیرت انگیز ہے یکایک اطلاع ملتی ہے کہ وہ قلب جس نے کروڑوں بند قلوب کو متحرک کر دیا تھا اور کر رہا تھا۔ خود یکایک بند ہو جاتا ہے گو یہ امر قدرت سے بعید نہیں۔ لیکن انسانی دل کی تشویش انسانی طریقۂ تحقیق رحلت استعمال نہ کیا جانے کی وجہ اس وقت تک بھی دُور نہ ہو سکی۔

ان کی رحلت کے موقع پر حیدرآباد اور تمام مسلمانانِ ہند نے بلا امتیاز مذہب و ملت جس حزن و ملال کا اظہار کیا ہے۔ اور جس عقیدت سے اُن کے جنازہ میں شرکت کی ہے کہ کاندھا دینے کی آرزو اکثروں کی پوری نہ ہو سکی۔ تمام شہر کی دکانیں بند ہو گئیں اور سارے شہر میں ایک کہرام و ماتم بپا تھا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ایسا مجمع کسی جنازہ میں نہ دیکھا نہ سنا۔ لاکھوں آدمی سوگوار رنج و غم میں مبتلا جنازہ کے ساتھ تھے۔ حتیٰ کہ ہندو حضرات بھی اپنی دکانیں اور کاروبار بند کر کے اسی طرح رنج و غم میں شریک تھے۔ اور ہزارہا کی تعداد میں اپنے مکانات سے اس شیرِ اسلام کی آخری سواری کو مبہوت کھڑے دیکھ رہے تھے۔ دیوڑھی سے حظیرۂ مشیرآباد تک سڑکوں پر سے لاکھوں انسانوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ جس میں اُمراء، حکام، غریب، فقیر، مشائخ، ہمنت سب بلا امتیاز شریک تھے۔

بالآخر ۱۰ بجے شب اپنے بزرگوار میں حضرت شاہ قاسم مجتہد گروہ مہدویہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزارِ مقدس کے جانب غرب مدفون ہوئے۔ اُن کی مرقد میں اُترنے والوں میں جنہوں نے اس مردِ مجاہد کو اُس کے آخری اور دائمی بسترِ استراحت پر لیٹنے میں اُس کی خدمت کی آپ کا یہ خادم بھی شامل تھا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

برادرانِ ملت! میں نے ان اوراقِ ماضیہ کو دھرا کر آپ کی دل خراشی کی ہے۔ اِس کا مقصد محض دلخراشی نہیں تھا بلکہ ہماری عظمتِ رفتہ کا ایک دُھندلا سا خاکہ آپ کی نظروں کے سامنے پیش کرنا تھا کہ جس کی روشنی میں ہم اپنی حالت موجودہ کا مقابلہ کریں۔ اور اپنے معیار پر پہنچنے کی

کوشش کریں۔ حالت موجودہ پر آپ نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اُس زمانہ میں بیشمار سلاطین ہماری ملت کی زینت کا باعث تھے جو اِس وقت دست بُردِ زمانہ سے محفوظ ہوتے تو ہر ایک جلالت الملک ہز ہائینس تو ضرور رہتا۔ لیکن اب ایک ہستی اِس اعزاز و وقعت کی مالک ہے۔ میری مُراد ہز ہائینس اعلیٰ حضرت لفٹننٹ کرنل نواب سر طالع محمد خان خلد اللہ ملکہٗ والیٔ پالن پُور سے ہے۔

اسی طرح سرداران فوج کی جو بہتات تھی اب وہ سمٹ کر اتنی تعداد میں آگئی ہے کہ اُس کو انگلیوں پر گنایا جاسکتا ہے۔ اِس خیال سے کہ اُنہیں بھی نظر بد نہ لگ جائے میں اُن کے نام کا اظہار نہیں کرنا چاہتا۔

طبقۂ علماء میں بھی ایسی ہی قحط الرّجالی ہوگئی ہے۔ تمول جس کا شہرہ خود تاریخوں میں درج ہے اُس میں بھی کافی انحطاط ہو چکا ہے۔ تعداد میں کمی واقع ہوگئی ہے۔ جس کے مختلف وجوہ ہیں۔ مختلف اقطاع کی آبادیاں رابطہ باہمی سے محروم ہیں۔ پابندیٔ احکام الٰہی یعنی اوامر و نواہی سے لاپروائی اور سستی برتی جارہی ہے۔ اجتماعی مفاد کو مفادِ انفرادی کے مقابلہ میں نظر انداز کردینے کی عادت پڑتی جارہی ہے۔ انانیت لامرکزیت پر منتج ہورہی ہے۔ ملت کے مستقبل سے متعلق غفلت کارفرما ہے۔ ان کیفیات کے بیان کرنے سے شاید آپ کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ اب ہماری حالت اِس نوبت کو پہنچ چکی ہے کہ اُسے لاعلاج سمجھ لیا جائے۔ لیکن میں ہماری اِس موجودہ حالت کو یاس انگیز نہیں سمجھتا۔ بلکہ اِس میں وہ بالقوہ صلاحتیں موجود پاتا ہوں۔ اگر اُن کو ایک نظام میں اور ایک مرکز کے تابع کردیا جائے تو یہ ساری شکست و نامرادی دُور ہوجاسکتی ہے۔

حضرات کرام! ہم خود اپنی حالت سے ناواقف ہیں۔ ہماری ملت کی تعداد جو مختلف اقطاع ہند و دکن میں بستی ہے لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ لیکن اس کی باضابطہ مردم شماری کا نہ کوئی انتظام ہے اور نہ اُن امراض کا علاج پیش نظر ہے۔ جو ہماری تعداد کو گھٹا رہا ہے۔ ہم میں علم کی کمی نہیں ہے۔ گو ہم نے تیر و سناں کو چھوڑ کر قلم سنبھالا ہے وہ قلم بھی بقول شاعر
"دور تیر شکستہ نیاگاں قلم" ہے۔ جس میں اقلیم علم کو زیر نگیں کرنے کی کافی قوت ہے۔
تمول کے لحاظ سے بفضلِ خدا کوئی ایسی خاص کمی نہیں ہے۔ بلکہ ماضی میں جس طرح ہم نے مالی و جانی خدمات بحیثیت اہلِ سیف انجام دی ہیں اِس دور میں بھی مملکت کی تعمیر میں جن خدمات کی

ضرورت ہے۔ وہ صنعتوں کا قیام ہے۔ اُن میں بھی مہدویہ بفضلِ خدا کافی حصہ رکھتے ہیں اور ملک اور مالک کی وفاداری میں جن خدمات کی ضرورت ہو، وہ اُن کی انجام دہی میں ذاتِ شاہانہ سے حکم پر پروانہ وار آگے بڑھنے تیار ہیں۔

برادرانِ ملت! ان حالات کی موجودگی میں سارے قُوائے جسمانی وذہنی اور اسباب دینی و دنیوی حاصل ہیں پھر ملت کیوں رُو بانحطاط ہے۔ انفرادی ترقی گو اجتماعی ترقی کھلائی جاسکے۔ لیکن پھر بھی قوت اجتماعی نہیں پیدا کر سکتی۔ جو ایک مرکز کے تابع ساری توانائیوں اور صلاحیتوں کو مرکوز کر کے حاصل کیجا سکتی ہے۔

ساری کائنات ایک نظم و ترتیب رکھتی ہے۔ اُس کی ساری فعلیت ایک مرکز اقتدار کے تابع ہے۔ اجرام سماوی ہوں یا ارضی اشیاء، سب میں یہی قانون جاری ہے۔ وفاق و ترکیب حیات ہے انتشار و لامرکزیت موت ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ

؎ زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب :- موت کیا ہے انہی اجزار کا پریشان ہونا۔

ساری کائنات پر بحیثیت مجموعی غور کیا جائے تو آپ کو مرکزیت کا پتہ چلیگا۔ اسی طرح آپ اُس ذرۂ بے مقدار جس کو ہماری آنکھیں بغیر وساطت خوردبین نہیں دیکھہ سکتیں۔ اُس کا بھی تجزیہ کیا جائے تو سائنس کی زبان میں وہ سالمہ ہے۔ اُس کا بھی تجزیہ کیا جائے تو اُس کی حقیقت یہہ نظر آتی ہے کہ مثل نظامِ شمسی کے ایک مرکزی برق پارے کے اطراف چند منفی برق پارے گردش کر رہے ہیں تو اس سے ظاہر ہے کہ ساری کائنات بحیثیت مجموعی یا اجزاءِ لاتجزیٰ سب میں مرکزیت پائی جاتی ہے یہہ ساری کائنات معلومہ وغیر معلومہ سب ایک مرکزِ اعلیٰ یعنے قادرِ مطلق کے ارادۂ غالب کے تابع حکم چل رہی ہے۔ چنانچہ یہہ راز جن لوگوں پر کھل چکا ہے۔ انہوں نے اپنی ساری انسانی کوششوں کو جو کسی علم و فن میں ہو یا ہو۔ مرکزیت سے متصف کر لیا ہے۔ حتیٰ کہ اس محاربۂ عظمیٰ میں مختلف با جبروت سلطنتوں نے اپنی طاقتوں کو ایک مرکز کے تابع رکھا۔ اور ایک فرد کے احکام مختلف قومیت کی افواج کے لئے واجب التعمیل قرار دئے گئے۔ جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ اجتماعی قوت میں وہ اضافہ ہوا کہ یہہ طاقتیں تنہا مختلف سپہ سالاروں کی زیرِ سرکردگی اُسی مشترکہ محاذ پر علٰحدہ علٰحدہ ہوتیں تو وہ تنظیمی کیفیت حاصل نہ کر سکتیں۔ اِس اصول کو تو مغربی اقوام نے صدیوں ٹھوکریں کھانے کے بعد دوسروں سے مستعار لیکر

اپنے لئے خاص کرلیا ہے۔ لیکن افسوس اُس ملّت کا ہے جس کے لئے ہر روز جو سبق مقرر کردیا گیا ہے اُس سے بے بہرہ ہے اس اشارہ سے میری مراد کلمۂ طیبہ ہے۔ جس میں انسان کی تلاش معبود میں جو حیرانی تھی وہ دُور کردی گئی۔ اُس کے میدانِ عمل کو ایک مرکزی تنظیم کے تابع کرنے کی تعلیم دی گئی نمونہ دیا گیا۔ عبادت کے لئے ایک جہت اور ایک مرکز قائم کیا گیا۔ ہدایت کا ایک ضابطہ دیا گیا۔ جب مرکزیت کا فقدان ہی ساری بلاؤں و پستی کا باعث ہے تو کیا اس کا علاج کسی کے ذہن میں نہیں آیا۔ یا صرف ہم ہی اِس وقت اس پر غور کر رہے ہیں۔

محترم حضرات! ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے پیشروؤں نے بھی اس کو سوچا اور ایک مرکز بھی قائم کیا۔ جس کو آج ۴۴ سال ہو چکے۔ یہہ جلسہ اُسی کا جشنِ چہل سالہ ہے۔ اُس کی تفصیلی تاریخ آپ کے سامنے پیش کرنا مزید طوالت کا باعث ہوگا۔ اِس لئے کہ اُسکی تاسیس و کارگذاری سے متعلق وقتاً فوقتاً آپ حضرات اُس کی شائع کردہ رپورٹوں سے واقف ہو چکے ہیں۔ یہاں صرف ایک اجمالی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں ناموں کی پُوری تفصیل نہیں دیجا سکتی۔ البتہ چند نام گنائے جاسکیں گے۔ اِس کے یہہ معنی نہیں ہیں کہ جن حضرات کے اسماء اِس میں متروک کئے گئے ہیں ان کا کوئی حصہ اس کی خدمت میں نہیں رہا ہے۔

حضرات! آج سے تقریباً ۴۶ سال قبل بیان کیا جاتا ہے کہ ملّی درد رکھنے والے حضرات نے تجویز کی کہ ملّتِ مہدویہ کے ہونہاروں کے لئے محلہ چنچلگوڑہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ یہہ وہ زمانہ ہے کہ ساری ملّت کا رُجحان فوجی ملازمت کی طرف تھا۔ اہلِ قلم حضرات گو خال خال تھے مگر اُن میں کا ہر ایک علامۃ العصر کے امتیاز کا حامل تھا۔ مثلاً حضرت سید نصرت صاحب رح اور حضرت علامہ شمسی صاحب رح افسوس کہ مدرسہ کے قیام کی یہہ تحریک بہت جلد ناکام ہوگئی۔ اِس تحریک کی ناکامی نے حسّاس نوجوانوں کے لئے تازیانہ کا کام کیا۔ چنانچہ اِس تحریک میں استقلال پیدا کرنے کے لئے ایک انجمن قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ محرم سنہ ۱۳۲۰ھ میں انجمن مہدویہ کا قیام عمل میں لاکر اِس خیال کو عملی جامہ پہنایا گیا جس میں روشن خیال اور علم دوست اصحاب نے شرکت کی۔ اور مولانا سید شہاب الدین صاحب مدظلہٗ صدر اور جناب سید حسین صاحب اہلِ بنگوری معتمد منتخب ہوئے۔ ارکانِ انتظامی میں مولانا سید مرتضٰی صاحب مدظلہ مولانا محمد عباس خان صاحب ایڈوکیٹ۔ مولانا سید محمد تقی صاحب اور مولانا سید نجم الدین صاحب المعی

قابل ذکر ہیں۔

انجمن اُس وقت کسی بڑے کام کی سکت نہ رکھتی تھی۔ اس لئے انجمن کے ممبروں نے چند قومی طالبعلموں کی تعلیمی امداد و نگرانی اپنے ذمہ لی۔ اور قومی حضرات نے اپنے لڑکوں کو اس انتظام میں شریک کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔

سنہ ۱۳۲۱ھ میں مولوی سید عبداللہ صاحب وکیل نے محلہ میں اپنی ذات سے مدرسہ سلطانیہ قائم کیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں چونکہ بانی مدرسہ کی ملازمت کا کچھ جھگڑا پڑگیا۔ اور مدرسہ کے بند کر دینے کا ارادہ ہوگیا۔ تو ممبرانِ انجمن نے مدرسہ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اور عام چندہ کی تحریک کیگئی۔ انتظامی کمیٹی میں کسی قدر ردّ و بدل کر کے تعلیمی مقصد کے لئے مستقل جد و جہد شروع کیگئی۔

اس مدرسہ کے قدیم طلباء میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے سیول سرویس میں شرکت اور کامیابی حاصل کی۔ اور اِس وقت حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر مامور ہیں۔

سنہ ۱۳۲۲ھ مدرسہ میں ایک ریڈنگ رُوم قائم کیا گیا۔ جس میں طلباء مدرسہ کے علاوہ قومی نوجوانان بھی شریک اور استفادہ کرتے تھے۔ اِس میں ہفتہ وار مذہبی، اخلاقی، تاریخی اور علمی لکچرز ہوتے تھے۔ جس میں قابل ذکر مولوی ابوالحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ ہیں۔

حضرات! یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ایسا کوئی تعلیمی سلسلہ ملک میں کہیں اور قائم نہیں تھا۔ ایک جلسہ میں رسالۂ ادیب حیدرآباد کے ایڈیٹر شریک تھے۔ جلسہ کی کارروائی دیکھکر یہ رائے قائم کی کہ انجمن جو کام کررہی ہے وہ حیدرآباد کے دوسرے حصوں میں نہیں ہورہا ہے۔ یہ سلسلہ سنہ ۱۳۲۲ھ سے سنہ ۱۳۲۹ھ تک قائم و برقرار رہا۔ لیکن سنہ ۱۳۲۹ھ میں جبکہ طاعون کی وجہ تمام آبادی خالی تھی۔ ریڈنگ رُوم کا تمام علمی ذخیرہ چوروں کے نذر ہوگیا۔

اس کے کچھ دنوں بعد مدرسۂ سلطانیہ کو انجمن کی نگرانی سے علٰحدہ کرلیا گیا۔ اُسی زمانہ میں انجمن نے مہدویہ بورڈنگ ہاؤز قومی حالات کے نظر کرتے جدید اُصول پر قائم کیا گیا۔ جس کے مولوی سید علی عبداللہ صاحبؒ ہاؤز ماسٹر۔ اور مولوی امانت خان صاحب مرحوم منتظم مقرر ہوئے اس خصوص میں مولوی سید علی عبداللہ صاحب مرحوم کی مساعی قوم کے لئے قابل تشکر ہیں۔

سر اکبر حیدری مرحوم، اور لبیک ہند مسز سروجنی نائیڈو نے اس مہدویہ بورڈنگ کا

مُعائنہ کیا۔ اور سر اکبر حیدری نے اِس کے اصُول کو بیحد پسند کیا اور فرمایا کہ آئندہ اِسی اُصُول پر اور بورڈنگ قائم ہونی چاہئیں۔

حضرات! آج جس قدر تعلیمیافتہ افراد قوم میں موجود ہیں۔ اُن میں سے اکثر و بیشتر اسی مہدویہ بورڈنگ ہوز کے بورڈرس ہیں۔

انجمن نے جتنے کام انجام دئے اُن میں سب سے زیادہ اگر کوئی کام قومی تعمیر یا اس کی فلاح کا باعث ہوا ہے تو یہی وہ زمانہ ہے جتنے زمانہ تک مہدویہ بورڈنگ قائم اور مولوی سید علی عبداللہ صاحب کی ہستی موجود رہی۔

مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ ایسا مفید قوم ادارہ بھی ذاتیات یا شخصی اختلاف کا شکار ہو گیا۔ اس کے بعد انجمن کے کاروبار گو اچھی ہستیوں کے ہاتھوں میں رہے۔ لیکن تعلیمی کوئی معقول انتظام نہ ہوا۔

مستحق طلبار کی وظائف سے امداد کرنے کیلئے خاص کمیٹی مقرر کیگئی۔ جو خان صاحب بابو خان صاحب میر مجلس انجمن۔ مولوی سید یعقوب صاحب نائب میر مجلس۔ مولوی محمد عباس خان صاحب معتمد انجمن۔ مولوی غلام علی محمدی صاحب۔ مولانا سید شہاب الدین صاحب۔ اور مولانا سید مرتضیٰ صاحب ارکان پر مشتمل تھی۔ اگرچہ کہ اس ضمن میں خاطر خواہ کام نہ ہوسکا۔ لیکن پھر بھی اس وظائف کمیٹی کی وجہ مستحق طلبار کو بہت کچھ امداد ملی۔ اور آج وہ مناسب خدمات پر فائز ہیں۔

برادرانِ ملت! اِس زمانہ تک انجمن کا کوئی ذاتی مکان نہیں تھا۔ جناب الحاج محمد علی خان صاحب گرمیدار جو قوم کے اوّلین محسن ہیں۔ دو ہزار روپیہ کی خطیر رقم خرچ کرکے انجمن کے لئے ایک مکان دلوادیا جس کی وجہ انجمن اپنے ذاتی مکان میں منتقل اور اس کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔ اس خصوص میں صاحب موصوف کا قوم پر بڑا احسان ہے۔ یہ میدان جس پر انجمن کی عمارت تعمیر کی گئی ہے اور یہ جلسہ منایا جارہا ہے عام چندہ سے خریدا گیا۔

مختلف دورِ صدارت میں انجمن نے مختلف مفید کام انجام دئے۔ مثلاً ۱۳۲۸ف کے انقلاب طغیانی اور اس کے قبل کے طاعون کے پُر آشوب زمانہ میں لاوارث اموات کی تجہیز و تکفین کا انتظام انجمن ہی سے کیا گیا۔ مسٹر گلانسی نے اِس خصوص میں بطورِ خاص اظہارِ خوشنودی کیا۔

محلۂ چنچلگوڑہ میں مڈل اسکول اور پھر ہائی اسکول کا قیام بھی انجمن ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔۔۔ جناب خان صاحب بابو خان صاحب مرحوم کی خاص توجہہ سے مڈل اسکول قائم ہوا۔ اور حضرت قائد ملت شہید رحمتہ اللہ علیہ کی توجہہ اور مساعی کا نتیجہ ہائی اسکول کا قیام ہے۔

بوقت تشریف آوری اعلیٰحضرت امان اللہ خان والیٔ افغانستان انجمن مہدویہ بمبئی کو امداد دی گئی مسافر خانہ دولت آباد تعمیر کیا گیا۔ سدراسن شریف کے حظیرہ کی تعمیر اور مسجدِ علی کہیڑ کی تعمیر میں امداد دی گئی۔

مقامی مساعی کے علاوہ بیرونِ جات کے لئے شعبۂ اصلاح المصدقین قائم کیا گیا۔ قومی جلسوں کے ذریعہ احساسات کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی۔ جن کی نوعیت مجالس میلاد و عرس اور تہنیت و تعزیت کے جلسوں کی تھی۔

سنہ ۱۳۴۰ف میں انجمن نے ایک اہم کارنامہ انجام دیا جبکہ حیدر آباد میں شاردا بل کو ایک دوسری صورت سے پاس کرانے کی تحریک کی گئی تو مجلس وضع قوانین میں انجمن مہدویہ نے تمام مسلمانانِ حیدر آباد بلکہ تمام سناتن دھرمی برادران کی معقول نیابت کی۔ اور اُس کا ایسا معقول اور مدلل جواب دیا کہ وہ بل نامنظور کر دیا گیا اگر یہہ بل پاس ہو جاتا تو تمام مسلمانوں اور خصوصاً سناتن دھرمیوں میں حکومت کی طرف سے سخت بددلی پیدا ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا۔

اس انجمن کے قیام سے قبل کوئی باضابطہ انجمن قوم میں نہیں تھی۔ اس کے قیام کے بعد سے انجمنوں اور قومی اداروں کے قائم کرنے کا عام میلان پیدا ہو تا گیا۔ اور متعدد ادارے قائم ہوئے۔

برادرانِ ملت! یہہ حالات انجمن کے دورِ قدیم کے ہیں۔ سنہ ۱۳۴۳ف میں جس وقت قائد ملت اعلی اللہ مقامہٗ نے انجمن کی صدارت کا جائزہ حاصل فرمایا تو اپنی شخصیت کے خاص اثر سے نوجوانوں کو انجمن کی طرف متوجہ کیا جس کی وجہہ نوجوانوں کی دلچسپی انجمن کی طرف بڑھنے لگی۔ مولوی سید یوسف صاحب تصورؔ نے معتمدی کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دئے۔

مستقل آمدنی کے لئے قرار پایا کہ انجمن کی زمین پر انجمن کا مکان فروخت کر کے عمارت تعمیر کی جائے۔ چنانچہ یہہ دو منزلہ حصہ اور اُنکی نچلی ملگیات جناب الحاج محمد علی خان صاحب کے عطا کئے ہوئے مکان کو ([illegible]) روپئے میں فروخت کر کے تعمیر کی گئی ہیں۔ دروازہ داخلہ کے شمالی حصہ کی تمام ملگیات مختلف واقف صاحبان نے اپنے اعزہ مرحومین یا کسی تقریب کی مسرت میں بطور یادگار تعمیر

کروائیں، جس کی وجہہ انجمن کو مستقل آمدنی حاصل ہوئی ۔ اور تعطیلات میلاد حضرت امامنا علیہ السلام اور عرس حضرت اقدس منظور کروائے گئے ۔

اس دَور کا اہم تعلیمی کارنامہ یہہ ہے کہ مدرسہ شبینہ اور اقامت خانہ قائم کیا گیا جس میں مولنا محمد نعمت اللہ خان صاحب صوفی کی ہمہ وقتی تعلیمی و انتظامی خدمات بڑی اہمیت رکھتی ہیں ۔ جس کے نتیجہ کے طور پر قومی نونہالان نے فوقانیہ کی حد تک استفادہ کیا ۔ اور کامیاب نتائج بر آمد ہوئے ۔ چار سالہ مدت میں موصوف کی ہر جہتی صلاحیتوں سے قوم کو بیحد فائدہ ہونچا ۔ مگر بعض ناگزیر مشکلات کی وجہہ موصوف نے اپنی خدمات واپس لے لیں ۔ جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ مدرسہ شبینہ اور بورڈنگ ہوز دونوں بند ہوگئے ۔ جس کی وجہہ قوم کو نا قابلِ تلافی نقصان ہونچا

اس دور کے بعد اس خادم کو انجمن کی معتمدی کا جائزہ ملا ۔ میں نے حتی الامکان اپنے قابل پیشرو کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی ۔ میری معتمدی کے زمانہ میں جنوبی حصہ کی ملگیات مُخیّر واقف صاحبین نے بنوائیں جو زیر نگرانی انجمن بنوائی گئیں ۔ غرض میں نے مدرسہ شبینہ اور مختلف کھیل کے انتظامات کئے کہ کم از کم اس کی خاطر نوجوانان انجمن میں آتے رہیں ۔

یہہ زمانہ ملک کا پُر آشوب زمانہ تھا ۔ ہر طرف فرقہ واری فساد برپا تھا ۔ اس پُر آشوب زمانہ میں انجمن نے قوم میں ضبط و امن برقرار رکھا ۔ جو دراصل حضرت قائد ملت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت کا اثر تھا ۔ ورنہ اللہ بندے میاں اور نواز خان شہداء رحمۃ اللہ علیہم کے انتقام کا بے پناہ جوش تمام قوم میں پھیلا ہوا تھا ۔ اگر ایسے موقع پر انجمن کی امن پسند مساعی اور صدارت کا تدبر شامل حال نہ ہوتا تو نہ معلوم ملک کی کیا حالت ہوتی

میں سمجھتا ہوں کہ میرا زمانۂ خدمت کوئی کارگذاری کا دَور نہ رہ سکا ۔ غرض میری جیسی بھی کچھ خدمات رہی ہیں وہ قوم سے پوشیدہ نہیں رہیں ۔ میرے دَور میں جو کچھ بھی کمی رہ گئی تھی اس کی تلافی بعد والے دَور نے کردی ۔ یعنے مولوی سید محمود صاحب نے معتمدی کی خدمت اپنے ذمہ لی ۔ اور حضرت قائد ملت علیہ الرحمۃ صدارت فرماتے رہے ۔ اس دَور کی خدمات کو آپ انجمن کی رپورٹ میں سماعت فرما سکتے ہیں ۔

ان دونوں ادوار یعنے عہد قدیم جو سنہ ۱۳۴۲ف کے قبل کا دَور ہے اور دَور جدید جو سنہ ۱۳۴۲ف سے

بعد کا دور ہے۔

برادرانِ ملت! اگر آپ ان دونوں ادوار کو پیش نظر رکھیں تو آپ کو دورِ قدیم میں انجمن کی کوئی عمارتیں اور املاک نہیں ملینگی اور نہ اُس دور میں کوئی فنڈ جمع کیا گیا۔ لیکن باوجود ایک طویل بے عملی کے جس مدت کی حد تک اس عہد نے کام کیا وہ انسانی تعمیر کا دور تھا۔ جس کے اکثر نقوش اس جلسہ میں موجود ہیں۔

دورِ جدید کے تعمیری کارنامے آپ کے سامنے یہ سربلند عمارت اور یہ دو طرفہ ملگیات کا سلسلہ ہے۔ اور انجمن میں کافی روپیہ بھی جمع کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ عرصہ تک تعلیمی کارنامہ بھی رہا ہے، مگر میری آرزو ہے کہ وہ مستقل تعمیری کام جو عہدِ قدیم بورڈنگ اور دارالاقامہ نے کیا تھا۔ اگر دورِ حاضر میں نہیں کیا جا سکتا، یا نہیں کیا جائے گا۔ تو میں سمجھوں گا کہ یہ ساری عمارتیں بیکار ہیں۔ اس لئے کہ یہ عمارتیں مقصد نہیں ہیں بلکہ کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

دورِ جدید اس لئے قابلِ مبارکباد ہے کہ اس نے مقصد کے حصول کا ذریعہ فراہم کر دیا ہے اب ہمارا کام اِن ذرائع سے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

دورِ قدیم کی کامیابیوں اور ناکامیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شخصی اختلافات نے اجتماعی نقصان پہونچایا ہے۔ کسی نے انجمن سے اس لئے تعاون نہیں کیا کہ اُس کے ارکان میں کسی سے شکر رنجی تھی۔ اس لئے اُس نے ادارہ ہی کو خیرباد کہہ دیا۔ یا انجمن کے ارکان نے یہ خیال کر کے کہ کسی کو دلچسپی نہیں ہے۔ خود کسی کو مجبور کر کے یا صلاحیت رکھنے والے حضرات کو متوجہ کر کے ان کو دلچسپی لینے پر مائل نہیں کیا۔ غرض کچھ بھی اسباب ہوں۔ انجمن کا قدیم دور اپنی گوناگوں مشکلات کی وجہ سے ایسا نہیں ہے کہ اُسے تاریک کہا جائے۔ جبکہ اُس کی جیتی جاگتی پیداوار یں آپ کے سامنے ہیں اور وہ پوری معیاری صلاحیت کے حامل ہیں اور قوم میں درخشاں حیثیت رکھتے ہیں۔

حضراتِ کرام! آج ہم ان دونوں ادوار کو عبور کر چکنے کے بعد بھی قوم کو اسی منزل میں پاتے ہیں۔ جو ایک اجتماعی مرکز کے نہ ہونے کی صورت ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ آخر وہ کونسی کمی ہے کہ جسکی وجہ یہ سارا فنڈ یہ ساری املاک اور یہ تمام ارکان اس کمی کو پورا نہیں کر سکتے۔ آئیے، اِس کے متعلق میرے ذہن میں جو ضروریات اور تجاویز ہیں اُن کو آپ کے سامنے پیش کر دوں۔

حضرات کرام! پوری ملت پر میں نظر ڈالتا ہوں جو مختلف اقطاع ہند و دکن میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور اُس کی مقامی کیفیت پر بھی غور کرتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ قومی افراد میں احساس مرکزیت کا فقدان ہے۔ اور اُن میں انتشاری کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ جس کی وجہ ہماری حالت پست سے پست تر ہوتی جارہی ہے۔ اور طوائف الملوکی کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ یہ کیفیت دینی و دنیاوی میدانوں کی مشترک نظر آتی ہے۔ طوائف الملوکی میں جس طرح اقتدار مختلف چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ جاتا ہے اسی طرح ہر شعبہ حیات نے جس کو ایک مرکز کے تابع رہنا چاہیئے تھا۔ خود کو ایک علحدہ اور مطلق العنان وحدت بنالیا ہے۔ جس کی وجہ ہر شعبہ میں فکری و عملی تصادم برپا ہے۔ بمصداق

در اتفاق نصرت دین ماست و در نفاق ہزیمت دین۔

ہر میدان عمل میں معلوم ہوتا ہے کہ ہم ہزیمت خوردہ ہوگئے ہیں۔ جس کے باعث احساس کمتری پیدا ہوچلا ہے۔

یہاں یہ سوال کہ جب کہ ایک ادارہ موجود ہے جسکی چہل سالہ سالگرہ منائی جارہی باوصف اس کے افرادِ مقامی اور مختلف اقطاع کے بسنے والے افراد میں احساس مرکزیت پیدا نہ کرسکا۔ اس کا جواب میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ انجمن نے کوئی ایسی مہم جاری نہیں کی، جس کا اصل منشاء یہ ہوتا کہ عوام سے ربط پیدا کیا جائے۔ اور سارے افراد کو انجمن کا رکن بنایا جائے۔ اور اس سلسلہ میں ایسا لائحہ عمل پیش نظر رکھا جاتا، جس میں افرادِ ملت کی معاشی اور معاشرتی زندگی میں انجمن ممد و معاون سمجھی جاسکتی۔ یا ایسے مناقشات کے دور کرنے میں اپنے وجود کا احساس کرایا جاتا۔ جس سے افراد قوم کے معاملات تصفیہ پاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ افرادِ ملت یہ محسوس کرتے کہ ہمارا یہ ادارہ ہماری ہر جہتی فلاح و بہبود کا ذمہ دار ہے لہذا ہر فکر و عمل کے موقع پر اس کی ہدایات و مشورہ کی پابندی کیجاتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ خود بخود ایک ایسا مرکز عملاً ذہناً قائم ہو جاتا۔ کہ اس کی تہدید افراد ملت کے لئے واجب التعمیل ہو جاتی۔ اور افراد منظم حالت میں ہر اُس نصب العین کے حصول میں کوشاں ہو جاتے۔ جو اُن کے سامنے مرکز کی طرف سے متعین کیا جاتا۔ لہذا اب بھی ضرورت ہے کہ انجمن فوری طور پر ایک مہم جاری کرے کہ کوئی فرد جو حیدرآبادی کہلاتا ہو۔ انجمن کی رکنیت سے باہر نہ رہ سکے۔ مختلف اقطاع میں

وفود بھیجے جائیں۔ جو ایک فہرست سوالات اپنے ساتھ رکھیں۔ اور اُن کی خانہ پُری کرکے انجمن میں پیش کریں۔ اور بلحاظ آبادی ہر جگہ انجمن کی شاخیں قائم کی جائیں۔ اور سالانہ اجلاسوں میں وہاں کی نمائندگی کا لزوم عائد کیا جائے۔ اس خصوص میں مجلس اصلاح المصدقین اور کانفرنس مہدویانِ ہند کی مساعی کو انجمن سے متعلق کر دینے کے لئے مولانا سید شہاب الدین صاحب اور مولانا سید مرتضیٰ صاحب کی خدمت میں تبادلۂ خیال کے لئے ایک وفد بھیجا جائے۔ ان دونوں بزرگ ہستیوں کی خدمات اگر انجمن کے لئے وقف ہو جائیں تو آئندہ سالانہ اجلاس تک میں سمجھتا ہوں کہ جد و جہد ان حضرات کی سرکردگی میں اضلاع ہند کا دورہ کریں گے وہ تمام ملت کو ایک مرکز ایک نصب العین پر متحد الخیال و عمل کردیں گے۔ اور وہ دن حقیقی جشن منانے کا ہوگا۔

اس وقت جتنے ادارے مفید قوم کام انجام دے رہے ہیں اُن سے خواہش کی جائے کہ وہ اپنے مساعی کو مرکز کے تابع کر دیں۔ اور بحیثیت شعبۂ انجمن کام انجام دیں۔ جس کا نتیجہ یہ کہ متوازیت دور ہو جائیگی اور کام میں اجتماعی قوت سے زیادہ ترقی ہو گی۔

مسائل جو انجمن کے پیش نظر ہیں اُن کا بالکلیہ دُنیوی امور سے تعلق نہیں ہے۔ بلکہ دین و دنیا دونوں سے متعلق ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ انجمن میں دینی امور سے ماہرانہ تعلق رکھنے والی شخصیتوں سے استفادہ کیا جائے۔ تاکہ جو کوئی مسئلہ انجمن طے کرے اس کی پابندی میں کسی نقطۂ نظر سے اعتراض کی جرأت نہ ہو سکے۔ اس لئے میری دانست میں ضرورت ہے کہ ہمارے علماء اور صلحاء کی تنظیم جس کا نام مجلس فقرائے مہدویہ ہے۔ اس کے منتخبہ صدر کے لئے انجمن میں ایک نشست مختص کی جائے۔ دینی امور میں اس محترم رکن کی آواز مجلس فقراء کی نمائندہ ہو گی۔ اور جب انجمن سے کوئی مسئلہ جس میں دینی مباحث کا تعلق ہو۔ بمشورۂ محترم رکن طے کر دیا جائے تو پھر تمام افراد ملت پر نہ صرف واجب التعظیم بلکہ واجب التعمیل ہو گا۔ بصورت انکار اُس کے منوانے کے لئے قوم کو چاہئے کہ معاشری تعزیرات استعمال کرے اذہان کی کیفیت جب اس نوبت پر پہنچ جائے کہ صدر انجمن کے نافذ کردہ احکام کی تعمیل میں عدول نہ کیا جائے تو آپ غور کریں کہ اس ادارہ کے صدر کی کیفیت ایک امیر جماعت کی ہو جاتی ہے جو اپنی کابینہ کے منظور فیصلوں کو نافذ کرتا ہے۔ جب اس طرح پوری ملت منظم ہو لے۔ جس میں مختلف دینی و دنیوی ادارے ضم ہو جائیں۔ اور انانیت جو لامرکزیت پیدا کرنے کا رجحان رکھتی ہے۔ اس اجتماعی ادارے میں گم ہو جائے تو یہ نسخۂ حیات کی

اصلاح و ترقی نہایت ہی سُرعت سے کیجا سکتی ہے۔

برادرانِ ملت! انجمن مہدویہ چنچل گوڑہ حیدرآباد دکن کو جو مرکزیت حاصل ہے اس کی کئی وجوہ ہیں ایک تو یہی کہ سب اقطاع کی انجمنوں میں اس کو اولیت حاصل ہے۔ دوسرے نہ صرف باعتبار قدامت بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اس کے بانیان و موجودہ سرپرست بہترین نباضانِ ملت ہیں یہہ مرکزیت کی حامل ہے۔ نیز بلحاظ مقام جو وسائل اس کی دسترس میں ہیں کسی اور جگہ نہیں پائے جاتے۔ اس لئے بھی اس انجمن کو مرکزیت کا درجہ حاصل ہے۔

حضرات! جبکہ یہہ ادارہ مرکزی ہے تو لازم ہے کہ دیگر اقطاع میں اسکی شاخیں قائم کی جائیں۔ اور لائحہ عمل کی ترتیب میں اُن کی نمائندگی لازمی قرار دیجائے۔ مقامی ضروریات کے قطع نظر اُن اصولی اُمور میں جو تمام ملت پر موثر ہوں مرکزی ادارہ کی ہدایات و حکمت عملی کی پابندی اُن پر لازم قرار دیجائے۔

حضرات! اس وقت انجمن کے سامنے کئی مسائل ہیں جن پر فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ مثلاً ہماری مردم شماری پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں زبردست انحطاط ہو گیا ہے۔ اس کی علت اور اُس کے دُور کرنے پر غور کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ جماعت کی قوت میں اُس کے افراد کی تعداد خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا یہہ معنیٰ نہیں کہ میں صلاحیت اور اہلیت کی قدر کو گھٹا رہا ہوں۔ ہماری وہ تعداد جس کا تاریخوں و روایتوں سے پتہ چلتا ہے افسانہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن وہ امر واقعہ تھا۔ اس لئے کہ جو طریقے اسلام نے افزائش کے سکھلائے تھے، اُس کے اسلاف پابند تھے۔ لیکن آج غیر مسلم صحبت کی وجہ ایسے رُسوم ... اثر میں داخل کر لئے گئے ہیں کہ ہم اسلامی اُصول و تعلیمات کی تعمیل میں عار سمجھنے لگے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ ہماری تعداد گھٹ رہی ہے۔ تعداد میں اضافہ دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہہ کہ اولاد زیادہ ہو، دوسرے یہہ کہ تبلیغ کے ذریعہ سے جماعت میں اضافہ کیا جائے۔ اس موخر ذریعہ کو سردست ہم استعمال کرنے سے مجبور ہیں۔ اسلئے کہ جب تک ہم خود اپنی اصلاح نہ کر لیں اور منظم نہ ہو جائیں دوسروں کی کیا اصلاح کر سکتے ہیں اس لئے یہہ معنیٰ نہیں کہ تنظیم اور اصلاح کے بعد بھی تبلیغ نہیں کیجا سکتی۔ اب رہی اولاد کے اضافہ کی کوشش تو اس میں مذہب کے بتائے ہوئے اصولوں کی پابندی سے کامیابی حاصل کیجا سکتی ہے۔ ہماری جتنی تعداد فوجی ملازمتوں کے سلسلہ میں نذر جنگ و جدال ہوئی ہے اُس سے کہیں زیادہ محض اسلامی اصول کو ترک کر کے غیر اسلامی شعائر اختیار کرنے سے گھٹی ہے

... اب یہہ مسئلہ نوجوانوں اور ایسی عمر والے اصحاب کی خواہ وہ ذکور سے ہوں یا اناث سے خاص توجہ کا محتاج ہے جن میں متاہلانہ زندگی کے فرائض کی انجام دہی کی صلاحیت موجود ہے۔ لیکن سوئے اتفاق سے جریدہ ہو گئے ہیں

یا اُس متاہلانہ زندگی کے ثمرہ سے محروم ہیں۔ میں جس سُنّتِ نبوی ؐ کی طرف اشارہ کر رہا ہوں اُس کی اہمیت اِس حدیث نبوی صلعم سے ثابت ہے کہ اُس کے انکار کرنے والوں کو آپ نے اپنی نسبت سے علیحدہ فرما دیا ہے۔ اِس لئے اِس مسئلہ کی پوری تحقیقات و رپورٹ کے لئے ایک کمیشن کا تقرر منجانب انجمن کیا جانا چاہیئے۔ نیز انجمن میں ایک مرکزی رجسٹر حیات و ممات رکھا جانا چاہیئے تاکہ ہمیں اپنی مختلف آبادیوں کی مردم شماری کا صحیح اندازہ مل سکے۔

برادرانِ ملّت! معاشی نقطۂ نظر سے بھی جب ہم اپنے گذشتہ ادوار کا موجودہ دور سے مقابلہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے قومی تمول کا اوسط گھٹ گیا ہے۔ گو اس وقت بھی چند ہستیاں جنہیں خدا اور اقبال مند کرے ہمارے گذشتہ معیار کے ہم پلہ ہیں۔ لیکن ضرورت اِس کی ہے کہ تمول قومی کے اوسط میں اضافہ ہو۔ تمول میں اضافہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ افرادِ قومی تجارت و صنعت کی طرف مائل ہوں۔ تجارت و کاروبار کے وسیع میدان کو چھوڑ کر صرف ملازمت کو ہی ذریعہ معیشت سمجھ لینا، جس میں گو کچھ عزت و وقار ہو، ایسے محدود معاوضہ پر خود کو پابند کر لینا ہے کہ جس سے قومی تمول میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح تاوقتیکہ گھریلو صنعتوں کے ذریعہ عسیر الحال شریف بیبیوں کے لئے کوئی ذریعہ معاش نہ فراہم کیا جائے اور ذکور کی بے روزگاری کے لئے کوئی انتظام نہ کیا جائے قوم کی معاشی مشکلات حل نہیں ہو سکتیں۔ اِس خصوص میں بھی ضرورت ہے کہ ایک کمیشن اِس کی تحقیقات اور رپورٹ کرے کہ ہماری معاشی ترقی کے لئے کن اقدامات کی فوری ضرورت ہے۔

حضرات! اب میں آپ کی توجہ اِس اہم مسئلہ کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں کہ جس کے بغیر ہماری آئندہ نسل کوئی باوقار مقام نہ تو حاصل کر سکتی ہے اور نہ ہی ملّت کے وجود کو صحیح المزاج باقی رکھ سکتی ہے۔ میرا اشارہ ہمارے نونہالانِ ملت کی تعلیم و تربیت کی طرف ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ بچوں کی تعلیم سے والدین غافل نہیں ہیں۔ اور اس ریاست ابد مدت کی علم پروری سے ہماری وہ بہتات ہو چکی ہے کہ والدین کو اپنے بچوں کی تعلیم کی فکر سے بے نیاز ہو جانا چاہیئے۔ اِلّا اِس کے کہ اُن کے ہونہار جانشین پابندی سے مدرسہ بھیج دیئے جایا کریں۔ میری دانست میں ایسی تعلیم سے جو سرکاری مدارس میں معینہ اوقات میں حاصل کر لی جایا کرے اور بقیہ اوقات غیر صحت بخش فضا میں جس سے اخلاق متاثر ہوں گذارے جائیں کوئی اچھا فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ کردار سازی جو اصل منشاء تحصیل علم ہے اِس طرح وقتیہ اسکول کی پابندی سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اِس لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ انجمن ایک دارالاقامہ قائم کرے۔ جس سے نہ صرف ہمارے قومی ماحول میں بچوں کی تربیت ہو سکے گی بلکہ مسموم فضا سے ان کی حفاظت

بھی کیجا سکے گی۔ بچوں میں یکجائی سے موانست وتعلقات برادرانہ میں استحکام پیدا ہوگا جو آئندہ عمر میں ان کے مفید ثابت ہوگا۔ اجتماعی زندگی کی عملی تعلیم وتربیت سے وہ فارغ التحصیل ہونے تک مستفید ہوتے رہیں گے۔ جس کی وجہہ قومی شیرازہ اور مضبوط ہوتا جائے گا۔ اُن کے خیالات میں یکجہتی پیدا ہوگی۔ اور جو اثر ان کے معصوم قلوب پر مرتسم ہوجائیگا وہ اس مادیانہ تصوروں میں سے صحیح وسلامت نکال لے جائے گا۔ اِس لئے کہ وہ اپنی تاریخ سے واقف اور معتقدات میں راسخ ہوجائیں گے۔ چونکہ دارالاقامہ میں نہ صرف مقامی اور صغیر درجہ کے طلبا رہ سکیں گے بلکہ مقامی اور مختلف اقطاع کے اعلیٰ تعلیم پانیوالے طلبا بھی رہ سکیں گے، اسلئے ایک علمی فضا میں حفظِ مراتب کے ساتھ اُن میں اخلاق حسنہ پیدا ہوتے جائیں گے۔ جو اصل منشار تعلیم ہے۔ اس دارالاقامہ کے قیام سے نہ صرف آئندہ نسل وحدت فکری وعملی سے جو ملت کی زندگی کا دوسرا نام ہے متصف ہوگی بلکہ موجودہ انتشار بھی مفقود ہوجائیگا۔ اور غیر متوجہ احباب بھی انجمن کی طرف متوجہ ہوجائیں گے۔ اس لئے کہ وہ یہہ دیکھیں گے کہ اُن کے عزیز ونونہال پودوں کی جن پر دارالاقامہ کا چمن مشتمل ہے نہایت جانسوزی سے آبیاری کیجارہی ہے لازماً وہ اس باغ کی سرسبزی وبقا کے لئے اپنی توجہوں کو مرکوز کردیں گے۔ جس کی وجہہ ایک مرکزیت پیدا ہوجائیگی جو مسائل قومی کے حل کرنیکی ضامن ہوگی۔

برادرانِ ملت! معاشرتی حیثیت سے بھی ہم میں بہت سی باتیں قابل اصلاح پیدا ہوگئی ہیں جو زیادہ تر غیر اسلامی ماحول کا اثر ہے۔ رسم ورواج نے شرعی احکام کی جگہ لے لی ہے۔ اسلامی سادگی کے بجائے شادی وغمی میں فضول مصارف کئے جاتے ہیں۔ جن کی کوئی شرعی اساس نہیں ہے محض تفاخر بیجا نے اس پر عمل پیرا رکھا ہے۔ اور اسی کی وجہہ سے قومی افراد قرض کی لعنت میں گرفتار ہوتے رہتے ہیں جسکی وجہہ سے ان کی معاشی حالت نہایت سقیم ہوجاتی ہے آمد وخرچ کا کوئی موازنہ نہیں بنایا جاتا۔ اور نہ پس انداز کی فکر کیجاتی ہے اسلئے ضرورت ہے کہ ایک وفد تقاریب کے موقع پر افراد قومی کے پاس پہنچکر انہیں اصراف بیجا سے روکے اور اس روپیہ کو مفید کاموں میں صرف کرنیکی ترغیب دے۔

حضرات! ہماری انجمن کو سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سے یہہ مُراد ہے کہ ہم کو یورپ کی مادیانہ سیاست کے اصول سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ ہماری سیاسیات قرآن وحدیث کی اتباع ہے۔ جو ہم کو دیگر اقوام پر تفوق وبرتری دلانے کا یقین دلاتی ہے بشرطیکہ ایمان کامل کے ساتھ اس کے اصولوں کی پیروی کیجائے۔ ان احکام مذہب کی اتباع سے اگر کوئی قوت یا تنظیم ہماری جماعت میں پیدا ہوجائے۔ جو دوسروں کی نظروں میں سیاسی نظر آئے، تو ہم اس کو ترک کرنے سے مجبور ہیں۔ اس لئے کہ مذہب اسلام میں حکومت وکلیسا کی تفریق نہیں ہے بلکہ ہمارا مذہب ہی ہماری سیاست ہے۔ وہ دین ودنیا دونوں کا ایسا امتزاج ہے کہ اس میں کسی تجزیہ کی گنجائش نہیں ہے۔

کسی مسلمان کو بغیر مداخلت فی الدین اسلامی سیاسیات سے علیٰحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ عملی سیاسیات میں ہمارا یہ اصول ہے اور ہونا چاہئے کہ مابہ الاشتراک امور میں جن سے پوری ملت اسلامیہ کا مفاد وابستہ ہو بشرط نمائندگی اسلامی مرکزی اداروں سے تعاون کیا جائے چنانچہ ہم نے اس اصول کی پابندی کی ہے اسی طرح جذبۂ اسلامی کا تقاضہ ہے کہ ہم تمام اُن تحریکات سے خوش ہوں اور حتی الامکان اُن کی امداد کریں جو من حیث المجموع ملت اسلامیہ ہند کے استحکام و ترقی کیلئے جاری ہوں۔ مثلاً مسئلہ پاکستان ہماری دلی ہمدردیوں کا مرجع ہے۔ اُسی طرح اگر کوئی عالمگیر اسلامی تحریک جو اسلام کے سیاسی تفوق کیلئے جاری ہو تو اُس میں بھی ہمارا دلی تعاون رہیگا۔ البتہ ایسے مسائل جن سے ہمارے معتقدات و مسلمات متصادم ہوں ہم تعاون سے باز رہیں گے۔

حضرات! میں نے جن امور کی طرف جناب صدر کو توجہ دلائی ہے اُن امور سے متعلق وقتاً فوقتاً جو ہدایات نافذ فرمائے جائیں ناممکن ہے کہ بغیر کسی قومی آرگن کے جو مرکزی ادارہ کے تحت ہو تمام افراد ملت تک پہونچائی جا سکیں۔ اسلئے اس کی شدید ضرورت ہے کہ انجمن اپنی اولین فرصت میں ایک پرچہ کی اجرائی کا انتظام کرے۔ جسکی وجہ قوم میں وحدت فکری پیدا ہوگی۔ جس کا نتیجہ وحدت عملی کی صورت میں رونما ہوگا۔ پرچہ کے اجرا سے نہ صرف موقتی تحریکات کا علم تمام افراد کو ہوا کریگا۔ بلکہ ہماری تاریخ بھی مدوّن ہوتی چلی جائیگی۔ جو آنیوالی نسلوں کے سامنے ایک نمونہ پیش کریگی کہ ہمارا لائحۂ عمل کیا تھا اور اس سلسلہ میں کس حد تک تکمیل باقی ہے۔ ایسے قومی اخبارات جنکی افادیت سے ہم ہماری بے توجہی کیوجہ محروم ہیں۔ اُن کے لئے قومی خریداروں میں اضافہ کیا جائے۔ تا اِن کا مالیہ مستحکم ہو جائے۔ اور انہیں مرکز سے متوسل کرلیا جائے۔

حضرات کرام! میں آپ کی توجہ ایک اور اہم ضرورت کی طرف منعطف کراتا ہوں۔ جسکی جانب انجمن نے قبل ازیں توجہ کی تھی مگر ایسی توجہ جو صرف اعلان کی حد تک محدود رہی۔

برادرانِ ملت! حضرت قائد ملت شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ہمیں جو قلبی تعلق ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس قوی تعلق کا اولین جذبہ اور تقاضہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ اُن کی شایانِ شان ایک یادگار قائم کردی جاتی۔ اب میں تفصیلات میں گئے بغیر عرض کرونگا کہ انجمن اور ساری ملت بالخصوص ذی ثروت حضرات اِس یادگار کی اہمیت کے نظر کرتے فوری اِس جانب توجہ کر کے یادگار کا قیام عمل میں لائیں جس سے آنیوالی نسلیں قوم اور حضرت قائد ملت رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی و روحی تعلقات کو محسوس کر سکیں۔

حضرات! اس طول بیانی سے ممکن ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ یاد نہ رہا ہو کہ میں کن امور کو ضروری سمجھتا ہوں۔ جو انجمن کی اولین توجہ کے محتاج ہیں۔ اس لئے انہیں مکرر سلسلہ وار عرض کرتا ہوں

۱ - ارکان انجمن میں اضافہ کی مہم جس کی وجہ انجمن کی مرکزیت مسلمہ ہو جائے۔

۲ - ادارہ قائمہ کا قیام جس سے آئندہ نسل کی کردار سازی کی جا سکے اور بچوں کو ہمارے خاص قومی اور مذہبی ماحول میں پختہ کر کے مادی ماحول کے بُرے اثرات سے محفوظ کر دیا جا سکے

۳ - پرچہ کا اجرا جو وحدت فکری و مستلزمہ وحدت عملی کے باعث قوم میں زندگی پیدا کر سکے

۴ - بقیہ امور متذکرہ بالا کے متعلق وفود تحقیقاتی کا تعین۔

۵ - اپیل چندہ، نسبت تعمیر قائد ملت یادگار رسال۔

حضرات گرام! میں اب آپ تمام معزز سامعین کا بالعموم اور بالخصوص معزز مہمانوں کا جنہوں نے زحمتِ سفر برداشت کر کے اپنے اس قومی اور ملی اجلاسوں میں شرکت فرما کر مرکزیت سے اپنی وابستگی کا ثبوت دیا ہے۔ تہِ دل سے شکر گزار ہوں حقیقت میں وہی قوم زندہ قوم کہلائی جا سکتی ہے جس میں احساس ملی اور قومی درد رکھنے والے قلوب ہوں آپ حضرات نے اس قومی اور ملی اجتماع میں شرکت فرما کر اپنی زندگی کا اظہار فرمایا۔

اس کے بعد میں اپنے ان محترم معطیان چندہ کا ممنون ہوں جنہوں نے نہ صرف انجمن کی گولڈن جوبلی اور جشن میلاد دستگیر منانے میں مالی امداد فرمائی بلکہ اس کی ایک مستقل یادگار قائم کرنے کا موقع عطا فرمایا۔

اس جلسہ کے انتظامات سے متعلق میں اپنے تمام رفقاء کا بدل ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے تعاون اور مشوروں سے بڑی امداد کی۔ اور اس جلسہ کو اس اہتمام کے ساتھ کامیاب بنایا۔

محترم جناب خان صاحب محمد عارف صاحب معتمد عمومی مجلس استقبالیہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی خاص قابلیت و تجربہ سے جو ایسے عظیم الشان مجامع کے انعقاد سے متعلق صاحب موصوف کو حاصل ہیں اس جلسہ کے انتظامات میں رہبری و نگرانی فرمائی۔

اس کے بعد میں مولوی محمد نعمت اللہ خان صاحب صوفی شریک معتمد عمومی جن کے ذمہ شعبہ نشر و اشاعت بھی تفویض تھا خاص شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے باوجود اپنی اہم ضرورت کے اپنے سفر کو محض اس جلسہ کے انعقاد کے سلسلہ میں ملتوی فرمایا اور ایسی جفاکشی اور انہماک سے کام کیا کہ وہ بیمار ہو گئے۔ اور حالت بیماری میں بھی نشر و اشاعت کے کام کو جاری رکھا۔ جس کی وجہ نشر و اشاعت کامیاب رہی۔ جس کا نتیجہ یہ کثیر اجتماع ہے۔

اسی طرح مولوی اے ایس محمود صاحب جنرل منیجر سیما اور مولوی محمد سلیم خاں صاحب کنٹراکٹر کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنی ان تھک کوششوں سے اپنے کاروبار کا نقصان کر کے ایسا چندہ جمع کیا کہ ایک ریکارڈ بن گیا ہے اسی ضمن میں انھوں نے مستقل تعمیری کاموں کے لئے مخیر و فیاض اصحاب سے ایسے وعدے حاصل فرمائے ہیں کہ جس کی وجہ انجمن کی املاک میں معتدبہ اضافہ ہو جائیگا جو دارالاقامہ اور کتب خانہ کی سہولت کا باعث ہوگا۔

یہاں میں صرف ان مخیر اصحاب کا ذکر کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں جنھوں نے اعلان کرنے کی اجازت دی ہے۔

حضرتہ بیگم قائد ملت نے دس ہزار روپیہ انجمن کو تعمیری سلسلہ میں دینے کا وعدہ فرمایا۔

عالیجناب نواب محمد ماندور خاں صاحب جاگیردار۔ برادر حضرت قائد ملت رح نے کتب خانہ کیلئے تین کمرے اور اس کے اوپر کی منزل تعمیر کرا دینے کا وعدہ فرمایا۔ نیز صنعتی تعلیم کے لئے پانچ طلبا کو ماہوار فی طالب علم سترہ روپیہ کے وظائف اور دارالاقامہ میں دس یتیم لڑکوں کے اخراجات پارچہ خورد و نوش اور تعلیم برداشت کرنے کا وعدہ فرمایا۔ یا اگر انجمن ان کے دیئے ہوئے اسکیم پر یتیم خانہ جاری کرے تو اسکے اخراجات کے لئے ماہوار تین سو روپیہ دینے کا وعدہ فرمایا۔

عالیجناب مولوی محمد امیر علیخاں صاحب صوبیدار نے اپنی مرحومہ لڑکی کی یادگار میں انجمن کے تحت ایک مدرسہ تحتانیہ نسواں کے جاری کرنے پر اس کے سارے اخراجات ماہانہ کی کفالت کا وعدہ فرمایا

عالیجناب مولوی عبدالصمد صاحب سوداگر انجینیر نے اعلیٰ جامعی تعلیم کیلئے دو وظائف دینے کا وعدہ فرمایا۔

عالیجناب خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب سے تعمیر "قائد ملت" یادگار ہال کے سلسلہ میں ملاقات کیگئی صاحب موصوف کو قائد ملت رح کی ذات سے جو دلی تعلق رہا ہے اس سے توقع ہے کہ اس ہال کی تعمیر میں صاحب موصوف کا گرانقدر حصہ رہے گا۔

دیگر معتمد صاحبان شعبہ جات میرے شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے کافی دلچسپی کے ساتھ اپنے مفوضہ فرائض کو انجام دیا۔ جن کی کارگذاریاں آپ کے ملاحظہ میں ہیں۔

محترم صدر! اس وقت جبکہ خطبہ قریب الختم ہے کسی جدید گزارش کا پیش کرنا مزید بیزار کن طوالت کا باعث ہوگا۔ لیکن چونکہ اس معروضہ کو ترتیب کا بینہ کے وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے اس لئے اس کے پیش کرنے کی جرأت کی جا رہی ہے۔ عام طور پر مجلس استقبالیہ کی تشکیل کا منشاء یہ

ہوتا ہے کہ کسی قومی تقریب کے انتظامات میں ارکان و عہدہ داران استقبالیہ کی جذبات سے تقسیم کار کے اصول کے تحت استفادہ کیا جا سکے۔ لیکن میری دانست میں اس کا ایک اور مقصد بھی ہونا چاہیے یعنے یہ کہ کسی قومی تقریب کے انتظامات میں مجلس استقبالیہ پر مشتمل ارکان و عہدہ داران اپنی کن کن صلاحیتوں یا عدم صلاحیتوں کا ثبوت دیتے ہیں اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو مجھے یہ عرض کرنے کی ضرورت ہے کہ اس مجلس استقبالیہ کے جن ارکان نے اس مرکزی ادارہ کی منعقد کردہ تقریب میں اپنی حسِ قومی و ملی ہمدردی کا ثبوت دیا ہے اور اپنی بے لوثانہ خدمات سے انجمن کے جشن کو کامیاب بنایا ہے اس قابل ہیں کہ انہیں مرکزی ادارۂ ملت یعنے انجمن مہدویہ میں بحیثیت رکن انتظامی خدمت قوم کا موقع دیا جائے اور جن اصحاب نے معروفیات یا کسی اور معذرات سے کام میں دلچسپی نہیں لی ترتیب کابینہ کے وقت آپ کی توجہ خاص کے محتاج ہیں۔

حضرات! میرا شکریہ نامکمل رہے گا اگر میں بانیان انجمن کا شکریہ ادا نہ کروں کہ جن کا لگایا ہوا پودہ پروان چڑھ کے اب کافی تناور ہو چکا ہے اور جس کی گولڈن جوبلی ہم آج منا رہے ہیں۔

آخر میں نہایت عقیدت و جاں نثارانہ جذبات سے اپنے آقائے ولی نعمت اعلیٰحضرت بندگانعالی و خانوادہ آصفی سے وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے دست بدعا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اس سایہ ہمایونی کو ہمارے سروں پر تا دیر سلامت رکھے۔ جن کے سایہ عاطفت میں ہم نہایت امن و چین کی زندگی بسر کرتے ہوئے اپنی ملی اور قومی آرزوؤں کی تکمیل کر رہے ہیں۔

حضرات! میں آپ تمام کا مزید شکریہ ادا کرتے ہوئے محترم صدر سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے بصیرت افروز خطبہ سے ہم تمام کو مستفید فرمائیں۔

بقولے :-

بنمائے رُخ کہ باغ و گلستانم آرزوست
بکشائے لب کہ قند فراوانم آرزوست

فرد قایم ربط ملت سے ہی تنہا کچھ نہیں
موج ہی دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں